جنوری
JANUARY
2017
اہل سنت وجماعت کا ترجمان
ماہنامہ
پیغام شریعت
دہلی
حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور تحریک احیائے دین
طلبائے مدارس اور فاصلاتی تعلیم
اردن (عمان) کی عالمی کانفرنس 2016 کی روداد
ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی حیثیت
یکساں سول کوڈ ملک کے سیکولر آئین کے خلاف ہے
جنتریوں کی سعد و نحس ساعتوں پر عمل کا حکم
بیکل اتساہی کی وفات: دنیائے شعر و سخن کا ناقابل تلافی نقصان
₹15/-

فہرست مضامین
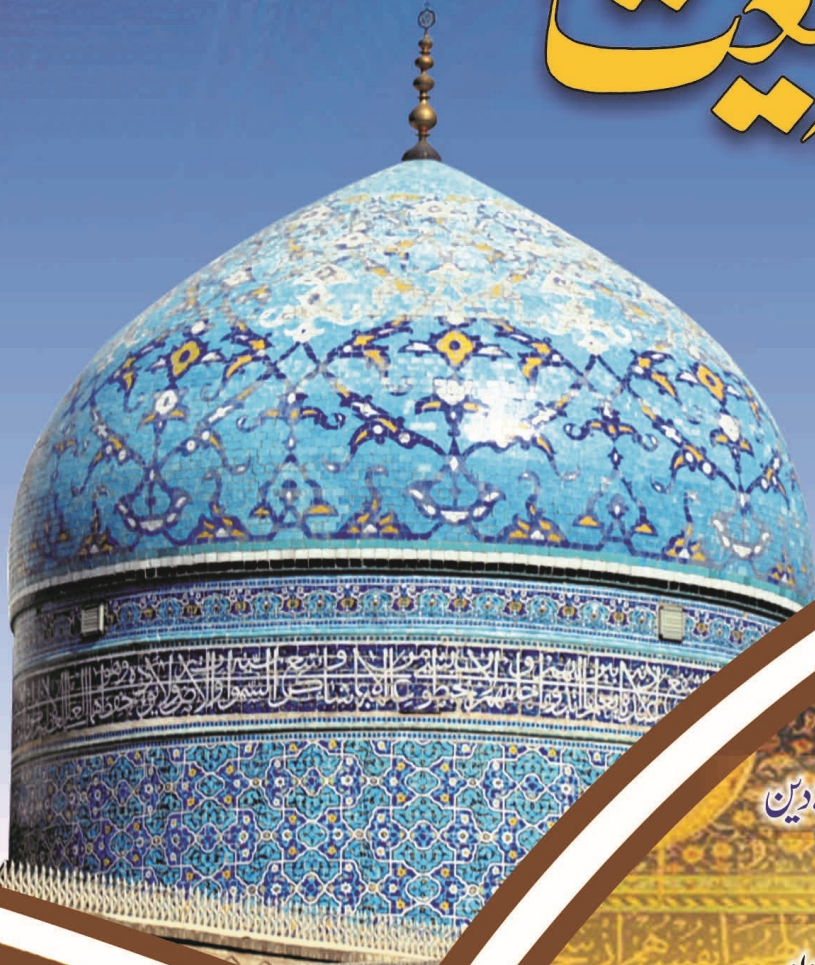
﴿نوٹ﴾

اداریہ

اسلام کے نظریاتی افق پر جدید فتنوں کے آثار

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

آج کل آسمان کے سارے ستارے گردش میں ہیں۔ ملک شام کے اندر حکومت کی سرپرستی میں جو تباہی مچی ہوئی ہے وہ عالمی منظر نامے کی سب سے بڑی سرخی ہے۔ داعش نے عراق اور شام کے مختلف علاقوں میں الگ طوفان مچا رکھا ہے۔ برما کے مسلمانوں پر ظلم و جبر کی مشقیں بھی روز افزوں ہیں۔

دوسری طرف دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہندوستان میں یکساں سول کوڈ اور تین طلاق کا مسئلہ چھیڑ کر ماحول گرم کیا گیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو صوفی کانفرنس کا تحفہ دینے کے بعد مسلم خواتین کے ساتھ انصاف کے نام پر شرعی قوانین پر قدغن لگانے کا قدیم منصوبہ اب عمل میں لانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس موقع پر صوفی کانفرنس کے منتظمین اور مندوبین بڑا اچھا رول ادا کر سکتے تھے مگر وہ تو امن و سلامتی کے نقیب ٹھہرے ایسی باتیں کیوں کریں گے جن میں احتجاج اور تصادم کے امکانات ہوں۔ برا ہو کالے دھن کا جس پر کنٹرول کرنے کی طرف یکا یک توجہ کیا مبذول ہوئی کہ ہندوستانی سماج کی چولیں ہل گئیں۔ اس کے سیاسی محرکات جو بھی ہوں لیکن اس کے لیے جو نایاب نسخہ مودی حکومت کو دستیاب ہوا ہے وہ آج تک کسی کو نہ سوجھا، جس نے پوری ملکی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا اور اکھنڈ بھارت کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔

تیسری طرف امریکی صدارتی انتخابات کے مایوس کن نتائج سے بین الاقوامی سیاسی افق پر تشویش کے بادل چھا گئے ہیں۔ کبھی امریکی قوم اپنے حق میں حقوق انسانی کی پاسداری کی قسمیں کھاتی تھی، اب آدھی قوم خود سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے کہ ملک اور قوم کا مستقبل کیا رخ اختیار کرے گا؟ لطف کی بات یہ ہے جس انتخابی قانون کے بارے میں ٹرمپ نے 2012 میں ٹویٹ کیا تھا کہ الیکٹرو کالج جمہوریت کا گلا گھونٹتا ہے، بالآخر وہی ان کے لیے جادو کی چھڑی ثابت ہوا۔ تقریباً چوبیس لاکھ ووٹ سے ہیلری کلنٹن سے پیچھے رہ کر بھی فتحیاب قرار پائے۔ یہ الیکٹورل کالج سسٹم امریکی دور جاہلیت کی یادگار ہے جس کے تعلق سے انتخابات کے موقع پر تنقید و تبصرہ جاری رہتا ہے۔ اور اب نہ صرف امریکی قوم بلکہ پوری دنیا کی نظر نئے امریکی انتظامیہ کی خارجی اور داخلی پالیسیوں پر ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ۸؍نومبر کے بعد سے اب تک نسلی اور مذہبی تعصب کے بے شمار مظاہر سامنے آئے ہیں، اور تارکین وطن کی بہت بڑی جمعیت کو نامعلوم خوف ستا رہا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ مابعد ہزیمت، ع: شکست و فتح تو قسمت سے ہے و لے اے میر'' کی بجائے اس الزام کو بہت سنجیدگی سے لیا جا رہا ہے کہ اس پورے انتخابی عمل کو روس نے ہائی جیک کر لیا تھا۔

بہر کیف! ہم مسلمانوں کے لیے تو سب برابر ہیں، کسی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم دنیا کے کسی سیاسی جولان گاہ میں طبع آزمائی کرنے سے تو رہے، ہماری سیاسی سرگرمیوں کا سدرۃ المنتہیٰ بس یہ ہے کہ ساحل سے کھڑے ہو کر موجوں کا تماشا دیکھ لیتے ہیں۔ تاہم ان حالات میں بھی ایک دولت ہمارے پاس ہے جو کسی کے پاس نہیں۔ اور وہ ہے ''نظریاتی حقانیت'' جسے ہم غلبہ اسلام کا اصل مفہوم قرار

دے کر اپنی مساعی جمیلہ کو دل ہی دل میں تحسین وآفرین سے نوازتے رہتے ہیں۔اور اطمنان کا سانس لیتے رہتے ہیں۔مگر کیا اس پر بھی نت نئے افکار وخیالات کے حملے نہیں ہونے ہیں؟

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی رسالت کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا جو کام چند سالوں میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کر دیے بعد کے چودہ سو سالوں میں ساری دنیا کے مسلمان نہ کر سکے۔اور اب تو ہم نے خود کو گزشتہ سو سالوں سے دفاع کے لیے مختص کر لیا ہے۔مزید برآں اس ہری بھری دنیا میں آج قوم مسلم جس قدر داخلی اختلافات کا شکار ہے شاید ہی کوئی قوم اس کا عشر عشیر بھی ان حالات کا سامنا کر رہی ہو۔اگر چہ اسلام میں فتنوں کا آغاز خارجیت سے ہوا۔لیکن اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان نے مسلمانوں کو نظریاتی طور پر پارہ پارہ کرنے میں سب سے اہم رول ادا کیا ہے۔اس کے بطن سے وہابیت نے جنم لیا جس کی اگلی نسل دیوبندیت کی شکل میں منظر عام پر آئی، پھر مختلف نظریاتی گروہ اور جماعتیں نکلتی چلی گئیں جنھوں نے دین میں جو نئے افکار ایجاد کیے وہ سب پوری دنیا میں اپنی اپنی شاخیں پھیلا رہے ہیں۔ان کے پھلنے پھولنے میں جہاں ان کی اپنی انتھک کوششوں کا دخل ہے اس سے کہیں زیادہ ہماری کوتاہیوں نے کردار ادا کیا ہے۔کوئی نیا فتنہ سامنے آیا فوراً کچھ اسلام دشمن قوتوں کے سر اس کی ذمہ داری ڈال کر ہم اپنا دامن جھاڑ لیتے ہیں۔

وہابیت شیعیت اور سنیت کے مابین صد سالہ کشمکش کے نتیجے میں جو سماجی مسائل پیدا ہوئے ان کو حل کرنے کے لیے صلح کلیت کا نسخہ متعارف کرایا گیا۔اور اب اس صلح کلیت کو وسیع سے وسیع تر کیا جا رہا ہے۔مسلم دنیا میں ابھی تک یہ بات کی جاتی تھی کہ جتنے کلمہ گو ہیں سب مسلمان ہیں خواہ ضروریات دین کا کتنا ہی انکار کیوں نہ کرتے پھریں یا اللہ ورسول کی کتنی ہی گستاخی کیوں نہ کریں۔لیکن اب صلح کلیت کا ایک جدید نظریہ سامنے آیا ہے جس کے مطابق کوئی بھی شخص جو کسی آسمانی مذہب کا پیروکار ہو وہ ناجی اور جنتی ہے خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا کوئی اور۔اس کے لیے The Study Quran یعنی مطالعہ قرآن کے نام سے قرآن کریم کا ایک ترجمہ تیار کیا گیا ہے جس میں تشریحات بھی شامل ہیں، جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ صرف مسلمان ہی جنتی نہیں بلکہ اور لوگ بھی جنتی ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں۔جب یہ نظریہ قرآن کریم کی صریح نصوص کے خلاف گیا تو انھوں نے ان نصوص کی تاویل کر ڈالی یا ایسا معنی بتایا جس سے وہ مفہوم جو چودہ سو سال تک علمائے امت نے سمجھا یا اس سے یکسر رد ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک کا یہ انگریزی ترجمہ تشریحات کے ساتھ تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔اور سرورق پر ایڈیٹر ان چیف کے طور پر سید حسین نصر کا نام لکھا ہے جو جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر ہیں۔اور ادارتی بورڈ میں چار اور پروفیسرس شامل ہیں۔جنھوں نے اس ترجمہ وتشریح کا کام کیا ہے۔The Study Quran یعنی مطالعۂ قرآن میں سنی، شیعی اور صوفی تینوں قسموں کی کتب تفسیر سے استفادہ کرتے ہوئے وحدتِ ادیان کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس نے صلح کلیت کو بڑے وسیع پیمانے پر سند قبول عطا کر دیا ہے۔

یہ کتاب ۲۰۱۵ میں منظر عام پر آئی جس کے بعد مغربی دنیا میں بسنے والے مسلمانوں میں بڑی کنفیوژن پیدا ہو گئی ہے۔خصوصاً جب کہ چند بڑے اسکالرس جو سنی صوفی مذہب کے نمائندہ علما مانے جاتے ہیں انھوں نے جب اس کام کو سراہا اور تعریفی کلمات کہے اور اس کے ان حصوں کا کوئی رد نہ کیا جو پوری امت کے مسلمات کے خلاف ہیں تو ظاہر ہے کہ سادہ لوح مسلمانوں میں بے چینی ضرور پائی جائے

گی۔ ذیل میں اس ترجمہ وتفسیر سے چند مثالیں دی جاتی ہیں جو امت کے مسلمات کے خلاف ہیں:

مثال کے طور پر آیت کریمہ ''ان الدین عنداللہ الاسلام (آل عمران ۲۰) کی تفسیر میں یوں لکھا گیا ہے کہ بہت مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے کہ وہ ایک دین جو اللہ کے نزدیک مقبول ہے وہ صرف اسلام ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا،لیکن اس کا معنی اعم جسے کئی ائمہ اسلام نے مختلف ادوار میں بتائے ہیں وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام سے مراد استسلام الی اللہ ہے یعنی اللہ کی بارگاہ میں جھک جانا ہے اگر چہ وہ اسلام کے طریقے پر نہ ہو۔

پھر اس فکر کو ثابت کرنے کے لیے کہ دین اسلام سابقہ ادیان کا ناسخ نہیں ایک مستقل باب قائم کیا اور اس میں لکھا: کہ یہ فکر کہ کتب سابقہ منسوخ ہیں بایں معنی کہ ان کو چھوڑ دیا گیا ہے یا اس حد تک تحریف کر دی گئی ہے کہ اصل تعلیمات گم ہو کر رہ گئی ہیں جیسا کہ بعض مسلمان سمجھتے ہیں اس سے تو بعض دوسری آیتوں سے نقض لازم آتا ہے۔ اگر یہ گمان کیا جائے کہ توریت وانجیل منسوخ ہیں تو توریت وانجیل سے فیصلہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟۔ اگر ادیان سابقہ نزول قرآن سے منسوخ قرار دیے جائیں تو یہ بات معقول نہ ہوگی کہ محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا جائے کہ ان سے نصیحت لیں، کیوں کہ حکم ہے کہ اہل ذکر سے پوچھو اگر معلوم نہ ہو۔

اور اس آیت کریمہ ''**ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرین**''(۸۵/۳) یعنی جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارے والوں میں ہوگا۔ اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

یہ خیال کہ سورہ آل عمران کی آیت ۸۵ نے سورہ بقرہ کی آیت ۶۲ کو منسوخ کر دیا ہے یہ بعض مفسرین کا قول ہے جس کے مطابق یہ آیت پیغمبر اسلام کے لائے ہوئے دین کے سوا کسی اور دین کے قبول سے مکمل انکار کرتی ہے۔ لیکن یہ قول تناقضات سے خالی نہیں۔ کہ اسلام اور مسلم کا لفظ قرآن میں ہر دین توحیدی اور دین حق پر بولا گیا ہے۔

اسی طرح نصرانیت کے عقیدہ تثلیث جس کو قرآن نے کفر قرار دیا اور فرمایا:'' **لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلاثة** '' (۷۳/۵) اس میں بھی تاویلات کر کے انھیں نجات کا پروانہ عطا کیا ہے۔ اسی طرح تنعیم جنت وعذاب جہنم کے دوام سے انکار کیا ہے، بلکہ اس کو چند اسلاف کا قول بھی قرار دیا گیا ہے۔

اس مطالعہ قرآن میں وہ فاسد تاویلات داخل کر دی ہیں جن سے پوری امت نا آشنا رہی اور ہے۔ یہی وہ بدعت ہے جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو دین میں بدعت جاری کرے وہ اسی کے اوپر رد کر دی جائے گی۔ اور فرمایا تھا کہ سب سے بری چیز دین میں نئی نئی باتیں ہیں۔

علمائے یمن کی ایک جماعت نے اس کے خلاف فتویٰ صادر کر دیا ہے جس کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے آخری نبی اور سارے جن وانس کے لیے رسول ہیں ان کا انکار اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام انبیائے کرام کا انکار ہے۔ صحیح مسلم میں ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً فرمایا کہ اس قوم یہود ونصاری سے جو کوئی میرے بارے میں سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے اور یوں ہی مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔

یمن کے علما نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے، اب باقی دنیا کے علما بھی اس سلسلے میں مہر سکوت توڑیں تا کہ نسل نو کے لیے حق آشکار ہو سکے۔

Faizanulmustafa@yahoo.com

درس حدیث

نویں قسط

مشکل احادیث اوران کا حل

از: مولانا کوثر امام قادری، مہراج گنج

معوذتین کی قرات

معوذتین یعنی ''سورۃ الناس'' اور ''سورۃ الفلق'' دونوں قرآن کی مشہور ومعروف سورتیں ہیں جن کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔امت مسلمہ کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں داخل ہیں اوران کو قرآن سے خارج ماننے والا یقیناً گمراہ وکافر ہے۔

عن عقبة بن عا مر رضی الله تعا لیٰ عنه قال قال رسو ل الله صلی الله تعا لی علیه و سلم الم تر آیات انزلت اللیلة لم یر مثلهن قط قل أعوذ بر ب الفلق و قل أعوذ بر ب الناس۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج ایسی آیت نازل ہوئی ہے جیسی کبھی نہیں دیکھی گئی(مسلم باب فضل قرآۃ المعوذتین)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ معوذتین کی قرآنیت ثابت ہے، تمام صحابہ نے اسے تسلیم کیا۔

لیکن دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے الگ موقف رکھتے تھے، وہ روایت متعدد کتابوں میں مذکور ہے، امام عینی، امام ابن حجر، امام قسطلانی وغیرھم نے یہ روایت ذکر کی ہے۔

عن عبدالرحمٰن بن یزید النخعی قال کان عبد الله یحک المعوذتین من مصاحفه و یقول انهما لیستا من کتاب الله ۔

حضرت امام نخعی نے فرمایا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصاحف سے معوذتین کو کھرچ دیتے اور فرماتے یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔(عمدۃ القاری ج:۲،ص:۱۱، فتح الباری ج:۸،ص:۵۲۶)

اس طرح کی مختلف روایات ہیں جنھیں امام سیوطی نے جمع فرمایا اوران پر صحت کا حکم لگایا ہے، فرماتے ہیں:

اخرج احمد والبزار والطبرانی و ابن مر دویة من طرق صحیحة''عن ابن عباس و ابن مسعود رضی الله عنهما انه کان یحک المعوذتین من المصحف و یقو ل لاتخلطو القرآن بما لیس منه، انهما لیستا من کتاب الله، انما أمر النبي صلی الله علیه و سلم أن یتعوذبهما و کان ابن مسعود لا یقرأ بهما۔

امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ نے بطریق صحیحہ حضرت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے کھرچ دیتے اور فرماتے قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو قرآن سے نہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان سے تعوذ کا حکم دیتے۔ ابن مسعود ان دونوں کی قرات نہ کرتے (درمنثور ج:۲،ص:۴۱۶)

مذکورہ ارشادات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے اور فرماتے یہ قرآن سے نہیں۔

حضرت ابن مسعود نماز میں ان سورتوں کی تلاوت نہیں فرماتے۔

حل اشکال

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایتیں پیش کی گئی ہیں اور جن پر صحت کا حکم بھی لگایا ہے وہ سب ایک طرف تو صدر اول کی حدیث کے خلاف ہیں تو دوسری طرف خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصولی موقف کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ وہ معوذتین کی قرآنیت کو تسلیم کرتے تھے اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر سال رمضان المبارک میں مسجد نبوی کے اندر نماز تراویح امام کی اقتدا میں پڑھتے اور امام نماز تراویح میں معوذتین کی قرات کرتے لیکن حضرت ابن مسعود نے کبھی اس پر انکار نہ کیا اور نہ ہی قرات معوذتین کے سبب نماز تراویح باقتداء امام ترک فرماتے۔ (فواتح الرحموت)

تو جب بات یہ ہے اور یہی صحیح ہے تو ان روایتوں کا کیا جواب ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہ تھے، تو اس کے حل کے لیے دو صورتیں پیش کی جاتی ہیں:

اول: جن روایتوں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار معلوم ہوتا ہے اسے بالکل رد کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ان کی طرف انکار معوذتین کی نسبت غلط ہے جیسا کہ بعض اہل علم نے فرمایا۔

حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

والاغلب علی الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود رضی الله عنه نقل کاذب باطل. (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۱۵)

اور ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس مذہب کی نقل جھوٹی اور باطل نقل ہے۔

محدث اعظم علامہ محبّ اللہ بہاری لکھتے ہیں:

ومانقل عن ابن مسعود رضی الله عنه من انکار المعوذتین والفاتحة فلم یصح.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معوذتین اور فاتحہ کا جو انکار منقول ہے وہ صحیح نہیں۔

علامہ عبد العلی فرنگی محلی فرماتے ہیں:

فظهر ان نسبة الانکار الی ابن مسعود رضی الله باطل. (فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت انکار باطل ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بصراحت امام سیوطی یہ ثابت ہے کہ انکار ابن مسعود کی روایتیں صحیح ہیں تو پھر ان پر بطلان کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ روایتیں سنداً تو ضرور صحیح ہیں، لیکن صحت سند سے متن کا من کل الوجوہ صحیح ہونا لازم نہیں آتا، عین ممکن ہے کہ ان روایات میں انقطاع باطنی ہو۔

دوم: دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کا قول "**لیستا من کتاب الله**" میں کتاب اللہ سے مراد مصحف لیا جائے اور اس تاویل کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ابن مسعود معوذتین کے قرات کے قائل تھے، لیکن مصحف میں لکھنے کے قائل نہ تھے کیوں کہ شاید ان کے پاس اسے مصحف میں لکھنے کی کوئی دلیل نہ تھی، اور قرآن جس طرح کلام الٰہی پر بولا جاتا ہے اسی طرح مصحف پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

و قد تاول القاضی ابو بکر الباقلانی في کتاب الانتصار و تبعه عیاض و غیره ماحکی ابن مسعود فقال لم ینکر ابن مسعود کونهما من القران و انما انکر اثباتهما في المصحف فا نه کان یری أن لا یکتب في المصحف شیئا الا ان کان النبی صلی الله علیه و سلم اذن في کتابته فیه، و کأنه لم یبلغه الاذن في ذلک۔

حضرت ابن مسعود سے نقل شدہ روایت کی قاضی ابو بکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں تاویل کی ہے اور قاضی وغیرہ علما نے ان کا اتباع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے معوذتین کے جز وقرآن ہونے کا انکار نہ کیا بلکہ انھیں مصحف کے اندر صرف کتابت معوذتین سے انکار تھا، اس لیے کہ وہ یہ رائے

رکھتے تھے کہ مصحف میں صرف وہی چیز لکھی جائے جسے مصحف میں لکھنے کی رسول اللہ علیہ السلام نے اجازت دی ہے۔ گویا انھیں اس بارے میں حضور کی اجازت کا علم نہ ہوا، تو اس معنی کے پیش نظر انھیں قرآن میں معوذتین کے صرف لکھنے سے انکار تھا، ان کی قرات سے انکار نہ تھا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وھو تاویل حسن ۔یعنی قاضی ابوبکر باقلانی کی یہ تاویل عمدہ تاویل ہے۔

مزید لکھتے ہیں۔

الا ان الروایة الصحیحة التی ذکرتھا تدفع ذلک حیث جاء فیھا ویقول انھا لیستا من کتاب اللہ. نعم یمکن حمل لفظ کتاب اللہ علی المصحف فیتمشی التاویل المذکور.

مگر وہ صحیح روایات اس تاویل کے برخلاف ہیں جو میں نے ذکر کی، کیونکہ اس میں یہ آیا ہے کہ ابن مسعود کہتے تھے کہ یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں۔ ہاں اگر کتاب اللہ سے مصحف مراد لے لیا جائے تو تاویل مذکور چل سکتی ہے۔(فتح الباری ج:۸،ص۵۲۶)

دوسری بات یہ رہ گئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں سورہ معوذتین کی قرأت نہیں کرتے تھے، تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ راوی کا اپنا مشاہدہ ہے، ممکن ہے راوی نے جب ان کے پیچھے نماز پڑھی یا کسی نماز میں ان کی قرأت سنی اس وقت انھوں نے کوئی دوسری سورت تلاوت کی ہو، اور کسی راوی نے زندگی بھر ان کے ساتھ رہ کر نماز تو پڑھی نہیں کہ وہ جانے، اس لیے اس بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ''وہ معوذتین کی قرأت کبھی نہیں کرتے تھے'' درست نہیں ہے۔

ٹخنے سے نیچے لٹکنے والا لباس

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما رجل یجر ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیامة حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنے تہبند کو گھسیٹ کر چلتا تھا اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔(بخاری ج:۲،ص:۸۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ازار کو گھسیٹ کر چلنا سخت معیوب ہے۔

جب کہ اس کے برخلاف یہ حدیث ہے:

عن ابی بکرة رضي اللہ عنه قال خسفت الشمس ونحن عند النبي صلی اللہ علیه وسلم فقام یجر ثوبه مستعجلا حتی اتی المسجد و ثاب الناس فصلی رکعتین۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ سورج کو گہن لگ گیا آپ جلدی سے اٹھے درآں حالیکہ آپ کا تہبند زمین پر گھسیٹ رہا تھا آپ مسجد میں آے اور لوگ بھی پلٹ کر آگیے پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی(بخاری ج:۲،۸۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑا گھسیٹ کر چلنا جائز ہے تبھی تو حضور نے ایسا کیا۔

حل اشکال

مذکورہ دونوں قسم کی حدیثوں میں تصادم اس طرح نظر آرہا ہے کہ ایک سے کپڑا گھسیٹ کر چلنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے جب کہ دوسری روایت جواز پر دلالت کرتی ہے۔اس کا حل یہ ہے کہ جس میں ممانعت ہے اس میں ممانعت کی علت تکبر ہے، جیسا کہ دوسری روایات میں بصراحت اس کا ذکر ہے۔

عن عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنه عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال من جر ثوبه خیلاء لم ینظر اللہ الیه یوم القیامة، فقال ابوبکر الصدیق یارسول اللہ ان احد شق ازاري یسترني الا أن أتعاھد ذالک منه، فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم لست ممن یصنعه خیلاء ۔

(بخاری جلد۲/۸۶۰)

بقیہ صفحہ 21 پر

شرعی مسائل

مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی، جودھپور

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز کب کرنی چاہیے

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی غوث پاک رضی اللہ عنہ کی نیاز ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ کو کرنی چاہیے یا سترہ کو، جب کہ پوری دنیا میں آپ کی گیارہویں ہی مشہور ہے۔

المستفتی: مولانا محمد حسین اشرفی باسنوی
متعلم درجہ تخصص جامعہ اسحاقیہ، جودھپور۔ راجستھان

الجواب:۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

گیارہویں ربیع الآخر کو غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز دلانا اس لیے زیادہ مناسب ہے کہ عامۃ المسلمین کے عرف کے مطابق ہے ویسے تو اولیاء کرام و بزرگان دین کے نام سے نذر و نیاز دلانا ہر دن جائز و مستحسن اور باعث سعادت ہے خواہ کسی تاریخ اور دن کی تخصیص ہو یا نہ ہو بلکہ کسی خصوصیت کے سبب ایک تاریخ کا تعین جب کہ شرعا اسے واجب نہ جانے مضائقہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کو نفل روزہ رکھتے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھتا کہ اگر اتوار یا منگل کو روزہ رکھتے تو نہ یہ ہوتا نہ یہ سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر اور جمعرات کا روزہ واجب سمجھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ۔**عن عائشۃقالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم الاثنین والخمیس .**

رواہ ترمذی والنسائی۔ (ج:۱،ص:۱۸۰)

صحیح بخاری شریف ومسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ **کان النبي صلی اللہ علیه وسلم یأتي مسجد قبا کل سبت ماشیا و راکبا و یصلي فیه رکعتین**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شنبہ کو مسجد قبا تشریف لے جاتے کبھی سوار کبھی پیدل اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین بھی جاتے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ **عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یاتی قبور الشھداء راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الرابعة ھٰکذا کان یفعلون رضی اللہ تعالیٰ عنھم**(تفسیر کبیر ج:۵،ص:۲۹۵)

سال بہ سال نیز ہفتہ کے دن جانا یہ ضرور تخصیص ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے دن جانا ناجائز ہے۔ اس طرح سے گیارہ ربیع الآخر کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نام فاتحہ دلانا تخصیص ہے لیکن عرفی، نہ کہ شرعی کہ دوسری تاریخ مثلا سترہ اٹھارہ وغیرہ کو فاتحہ دلانا ناجائز ہے۔

لہٰذا خاص گیارہویں تاریخ کا ہونا شرعا ضروری نہیں اور جو شرعا ضروری جانے محض غلطی پر ہے۔

(ایسا ہی فتاویٰ رضویہ میں، ج:۴، ص:۲۲۴۔ اور فتاویٰ امجدیہ ج:۱،ص:۳۵۴ میں ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔

میلاد شریف کرنا یا گیارہویں کا فاتحہ کرانے کی نذر ماننا کیسا ہے؟

سوال: میلاد النبی کرنے کروانے کی منت ماننا شرعا جائز و درست ہے یا نہیں۔ اگر یہ منت ماننا شرعا جائز درست ہے تو کیا یہ

منت شرعی میں داخل ہے یا منت عرفی میں داخل ہے۔ یونہی گیا رہویں کرنے اور کرانے کی منت شرعی میں داخل ہے یا منت عرفی میں داخل ہے۔ اور ان دونوں مذکورہ منتوں میں جو کھانا اور شیرنی وغیرہ کھلاتے ہیں اور بانٹتے ہیں کیا اس کھانا اور شیرنی کو سادات اغنیاء غرباء ومساکین وغیرہ سب کھا سکتے ہیں اور لے سکتے ہیں یا نہیں۔ تفصیلی جواب شادکام فرمائیں۔

الجواب۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میلاد النبی علیہ التحیۃ والثناء کرنے کروانے کی منت ماننا یونہی گیارہویں شریف کرنے کروانے کی منت ماننا شرعا جائز درست ہے، اور منت عرفی کی قبیل سے ہیں۔ان دونوں منتوں میں جو کھانا کھلایا جاتا ہے اور شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے اس کھانا اور شیرینی کو سادات کرام اغنیاء غربا ومساکین وفقرا سب کھا سکتے ہیں اور لے سکتے ہیں۔ جیسا کہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: مجلس میلاد مبارک وگیارہویں شریف میں عرف ومعمول یہی کہ اغنیا وفقرا سب کو دیتے ہیں جو لوگ ان کی نذر مانتے ہیں اسی طریقہ رائجہ کا التزام کرتے ہیں نہ یہ کہ بالخصوص فقرا پر تصدق، تو اس کا لینا سب کو جائز۔ یہ نذر فقہیہ سے نہیں (فتاویٰ رضویہ ج:۵،ص:۹٦۴ کتاب الایمان باب النذر)

نیز اسی میں ہے مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلیٰ مستحبات سے ہے خواہ نذر مان کر کریں یا بلا نذر۔ ہاں محل نظر یہ امر ہے کہ نذر ماننے سے واجب بھی ہو جائے گی؟ جیسے نماز یا صدقہ، یا واجب نہ ہوگی بدستور مستحب رہے گی جیسے تلاوت قرآن مجید کہ ایک قول پر منت ماننے سے بھی واجب نہیں ہوتی۔کما فی الخانیۃ وغیرہا۔ (فتاویٰ رضویہ شریف ج:۵،ص:۹٦۷ کتاب الایمان باب النذر) واللہ تعالیٰ علم۔

اولیائے کرام کی نیاز کی نذر ماننا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین مفتیان شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں اولیاے کرام کی نذر ماننا کیسا ہے کچھ لوگ اسے ناجائز کہتے ہیں؟

الجواب۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذر کی دو قسمیں ہیں (۱) نذر فقہی (۲) نذر عرفی۔نذر فقہی کے معنی ہیں غیر ضروری عبادات کو اپنے لیے ضروری کر لینا اور نذر عرفی کے معنی ہیں نذرانہ، ہدیہ اور نیاز، نذر فقہی: خداے تعالیٰ کے سوا کسی کی ماننا جائز نہیں اور نذر عرفی جو بزرگانِ دین کے لیے باحیات باطنی میں پیش کی جاتی ہیں جائز ہیں۔حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ محدث دہلوی رسالہ نذور میں تحریر فرماتے ہیں:

''نذر یکہ این جا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز می گویند''

یعنی لفظ نذر جو کہ یہاں مستعمل ہوتا ہے شرعی معنی پر نہیں ہے اس لیے کہ عرف میں جو کچھ بزرگوں کے یہاں لے جاتے ہیں نذر و نیاز کہتے ہیں جیسا کہ حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: یہ نذر فقہی نذر نہیں، بلکہ براہ ادب بڑوں کی خدمت میں جو چیز پیش کی جاتی ہے اسے نذر کہتے ہیں۔(فتاویٰ امجدیہ ج:اول،ص:۲۵۴)

اور سیدی عبدالغنی قدس سرہ حدیقہ ندیہ میں تحریر فرماتے ہیں ''من **هذاالقبيل زيارةالقبوروالتبرک بضرائح الاولياءِ والصالحين والنذر لهم بالتعليق ذلک علی حصول شفاء و قدوم غائب فانه مجاز من الصدقة علی الخادمين بقبورهم**''

یعنی اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت کرنا اور اولیاء کرام اور بزرگان دین کے مزارات سے برکت حاصل کرنا اور بیمار کی شفا کے لیے نذر ماننا کہ وہ ان کی قبروں کی خدمت کرنے والوں پر صدقہ کرنا جائز ہے۔(بحوالہ فتاویٰ فیض الرسول ج:،ص:۴۳۷)

اور اسی فتاویٰ فیض الرسول میں بہجۃ الاسرار شریف کے حوالے سے ہے: **قال شيخنا الشيخ محی الدين عبد القادر رضي الله تعالیٰ عنه يقبل النذرور وياكل منها** ''

ہمارے شیخ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نذریں قبول کرتے ہیں اور

بذات خود اس میں سے تناول فرماتے ہیں۔ظاہر ہے اگر یہ نذر فقہی ہوتی تو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سادات کرام سے ہیں ان میں سے ہرگز تناول نہ فرماتے، کہ سیدوں کے لیے نذر فقہی میں سے کھانا جائز نہیں، اس لیے کہ اسے وہی کھا سکتا ہے جو زکاۃ لے سکتا ہے۔ بہرحال مذکورہ بالا اقوال سے واضح وعیاں ہوگیا کہ نذر عرفی جو بزرگوں کے لیے نذر مانی جاتی ہے بلاشبہہ جائز ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ ص ۲۰۷ پر ہے۔

جنتریوں میں لکھے سعد ونحس ساعتوں پر عمل کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ سعد ونحس یا قمر درعقرب جنتریوں میں لکھا رہتا ہے، اس کے مطابق عمل کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟۔اور عوام اہل سنت قمر درعقرب کی حالت میں شادی بیاہ نہیں کرتے ہیں اور اس کو منحوس سمجھتے ہیں۔

الجواب۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سب بے اصل اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔اس کا اعتبار ہرگز نہ کریں۔یونہی قمر درعقرب کی حالت میں شادی کرنا شرعا جائز و درست ہے شادی کرنا کسی ماہ اور کسی تاریخ میں منع نہیں، عوام الناس کا قمر درعقرب کی حالت کو منحوس سمجھنا غلط ہے، جیسا کہ فقیہ اعظم ہند حضور صدرالشریعہ مفتی امجد علی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ سب بے اصل اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں ان کا اعتبار ہرگز نہ کرے۔ (فتاویٰ امجدیہ ج:۴،ص:۶۰) نیز حضور صدر الشریعہ لکھتے ہیں: یہ خیال کہ بیماری اڑ کے لگتی ہے یہ جہالت کا خیال ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔**لاعدوی ولاطیرۃ ولاھامۃ ولاصفر** (فتاویٰ امجدیہ ج:۴،ص:۲۶۱) اور امام اہل سنت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اس شخص کا یہ کہنا محض غلط اور شریعت پر افترا ہے۔نکا

ح ہر دن جائز ہے ہاں اگر اذان جمعہ ہوگئی تو اس کے بعد جب تک نماز نہ پڑھ لی جائے نکاح کی اجازت نہیں کہ اذان کے ہوتے ہی جمعہ کی طرف سعی واجب ہوجاتی ہے۔قال اللہ تعالیٰ۔**یا ایھا الذین اٰمنوا اذا نودي للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع** پھر بھی اگر کوئی بعد اذان نکاح کرے گا گناہ ہوگا مگر نکاح جائز وصحیح ہوجائے گا **کما فی الھدایہ فی البیع ان الکراھۃ للمجاور** ۔(فتاویٰ رضویہ شریف ج:۵،ص:۱۵۸ کتاب النکاح) واللہ تعالیٰ علم۔

کیا عورت کسی سلسلے کی خلیفہ ہوسکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عورت کو کسی سلسلہ کا خلیفہ ہونا اور اس کو کسی سلسلہ کا خلیفہ بنانا صحیح ہے؟

الجواب۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت کو کسی سلسلے کا خلیفہ ہونا اور اس کو کسی سلسلے کا خلیفہ بنانا درست نہیں، جیسا کہ امام اہل سنت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مگر وہ جو عورت کو خلیفہ ہونا لکھا وہ صحیح نہیں ائمہ باطن کا اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہوسکتی۔ہاں تدابیر ارشاد مرشد بتانے میں سفیر محض ہو تو حرج نہیں۔امام شعرانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں: **قد أجمع اھل الکشف علی اشتراط الذکورۃ في کل داع الی اللہ ولم یبلغنا أن أحداً من نساء السلف الصالح تصدرت لتربیۃ المریدین ابدا لنقص النساء في الدرجۃ وان ورد الکمال في بعضھم کمریم بنت عمران وآسیۃ امرأۃ فرعون فذٰلک کما ل بالنسبۃ للتقویٰ والدین' لا بالنسبۃ للحکم بین الناس وتسلیکھم فی مقامات الولایۃ، وغایۃ أمر المرأۃ أن تکون عابدۃ زاھدۃ کرابعۃ العدویۃ رضي اللہ عنھا** (فتاویٰ رضوی ج:۴،ص:۱۷۶)

بقیہ صفحہ 21 پر

دوسری قسط

مصالحت اکسیر اعظم

ازہار احمد امجدی ازہری

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جائیداد کے مسئلہ کو لے کر اختلاف ہوتا رہتا ہے، عموماً لوگ اس کے حل کے لیے کوٹ کچہری کا رخ کرتے ہیں اور لاکھوں روپئے خرچ کرنے کے بعد نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، بلکہ بہت سارے مقدمات نسل درنسل چلتے رہتے ہیں اور روپئے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں، بھاگ ودوڑ کی پریشانی الگ اور اس کی وجہ سے ایک شریف خاندان کا جو وقار گھٹتا ہے اور تھوتھو ہوتی ہے وہ الگ، اگر اب بھی قوم مسلم کو احساس زیاں ہوجائے؛ تو جائداد وغیرہ کے متعلق بہت ساری پریشانی جو اکثر قوم مسلم اپنی انانیت یا جہالت کی وجہ سے جھیل رہی ہے ختم ہوجائے، اس کا خاتمہ شریعت کی اتباع ہے کہ ہر دوفریق ایک دوسرے کا حق صاحب حق کے حوالے کردے، لیکن اگر کسی وجہ سے اتنی وسعت قلبی نہیں ہوسکتی اور تنگ دلی کا مظاہرہ کرنے پر اتر آئے یا دلائل کی بنا پر اختلاف زور پکڑ رہا ہے؛ تو اب شریعت نے ہمیں اختلاف ختم کرنے کے لیے مصالحت بطور اکسیر اعظم عطا کیا ہے، اگر اسی کو مقتدی بنالیا جائے اور صلح میں جو کمی یا زیادتی ہوئی، اسے اللہ تعالی کے حوالے کردیا جائے، جس کی ذات ظالم سے بدلہ لے کر مظلوم کے حوالے کرنے والی ہے، اگر یہ صورت اختیار کرلی جائے؛ تو بات رفع دفع ہوکر خوشگوار ماحول پیدا ہوجائے، اللہ تعالی ہمیں اپنی توفیقات سے نوازے، آمین، آنے والی سطور میں صلح ومصالحت کی لغوی و اصطلاحی تعریف اس کے بعد اس کے احکام کو اختصار کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

صلح کی لغوی تعریف:

''**صلح يصلح صلاحا و صلوحا و صلاحية**'': فساد کا زائل ہونا. ''**صالح صلاحا و مصالحة**'': ہر ایک کا دوسرے کی موافقت کرنا.''**أصلح يصلح إصلاحا**'': فساد کو زائل کرنا (المنجد)

صلح کی اصطلاحی تعریف:

''نزاع دور کرنے کے لیے جو عقد کیا جائے اس کو صلح کہتے ہیں''

''اور وہ حق جو باعث نزاع تھا اس کو مصالح عنہ اور جس پر صلح ہوئی اس کو بدل صلح اور مصالح علیہ کہتے ہیں، صلح میں ایجاب ضروری اور معین چیز میں قبول بھی ضروری ہے اور غیر معین میں قبول ضروری نہیں''

(بہار شریعت ر ج ۲، ح ۱۳، ص ۱۱۳۳، الفتاوی الہندیۃ ر کتاب الصلح، الباب الأول فی تفسیرہ شرعا... الخ، ج ۴، ص ۲۲۸-۲۲۹)

صلح ومصالحت کے شرائط

ہر عقد کے کچھ نہ کچھ شرائط ہوتے ہیں، اسی طرح صلح کے بھی کچھ شرائط ہیں، ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہوگی؛ تو صلح درست نہیں ہوگی، شرائط مندرجہ ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عاقل ہونا (۲) مصالح علیہ کے قبضہ کرنے کی ضرورت ہو؛ تو اس کا معلوم ہونا مثلاً اتنے روپئے پر صلح ہوئی (۳) مصالح عنہ کا عوض لینا جائز ہو یعنی مصالح عنہ مصالح کا حق ہو، اپنے محل میں ثابت ہو، عام ازیں کہ مصالح عنہ مال ہو یا غیر مال مثلاً قصاص وتعزیر جب کہ تعزیر حق العبد کی وجہ سے ہو (۴) نابالغ کی طرف سے کسی نے صلح کی؛ تو اس صلح میں نابالغ کا کھلا ہوا نقصان نہ ہو (۵) نابالغ کی طرف سے صلح کرنے والا وہ شخص ہو جو اس کے مال میں تصرف کرسکتا ہو مثلاً

باپ وغیرہ(۶) بدل صلح مال متقوم ہو، اگر مسلم نے شراب کے بدلے میں صلح کی، یہ صلح صحیح نہیں۔(بہار شریعت رج:۲، ح:۱۳،ص:۱۱۳۴، الدر المختار رکتاب الصلح، ج:۸،ص:۴۶۶-۴۶۸)

صلح ومصالحت کا حکم

صلح کا حکم یہ ہے کہ انکار واقرار ہر صورت میں جس چیز پر صلح ہوئی دعوی کرنے والا اس کا مالک ہوجائے گا، اور جس کے خلاف دعوی کیا گیا ہے اگر چیز قابل تملیک ہو اور وہ دعوی کرنے والے کے حق کا اقرار کرنے والا بھی ہو؛ تو جس چیز سے صلح ہوئی وہ اس کا ہوجائے گا، مثلاً اگر زید نے دعوی کیا کہ عمرو کی فلاں ایک بیگہ زمین میں میرا آدھا حق ہے، اب خواہ عمرو انکار کرے یا اقرار دونوں نے مصالحت اس بات پر کرلی کہ زید کو تین بسے ملیں گے اور باقی عمرو کو ملے گا؛ تو خواہ عمرو زید کے حق کا اقرار کرے یا انکار دعوی کرنے والا اس تین بسے کا مالک ہوگیا، اور اگر عمرو دعوی کرنے والے زید کے حق کا اقرار کرنے والا تھا اور چیز قابل تملیک تھی؛ تو جس سے مصالحت ہوئی وہ بھی اس کا مالک ہوگیا، لیکن اگر جس سے مصالحت ہوئی وہ قابل تملیک نہیں تھی یا قابل تملیک تھی مگر جس کے خلاف دعوی کیا گیا تھا وہ دعوی کرنے والے کے حق کا منکر تھا؛ تو ان دونوں صورتوں میں جس کے خلاف دعوی کیا گیا وہ صرف دعوی سے بری ہوگا، اس کے مالک ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا؛ کیوں کہ وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اس کا مالک ہے، پھر دوبارہ مالک ہونا چہ معنی دارد؛ اسی لیے تو دعوی کرنے والے کے دعوی انکار کررہا ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"صلح کا حکم یہ ہے کہ مدعی علیہ دعوی سے بری ہوجائے گا اور مصالح علیہ مدعی کی ملک ہوجائے گا، چاہے مدعی علیہ حق مدعی سے منکر ہو یا اقراری ہو، اور مصالح عنہ ملک مدعی علیہ کا ہوجائے گا، اگر مدعی علیہ اقراری تھا بشرطیکہ وہ قابل تملیک بھی ہو، یعنی مال ہو اور اگر وہ قابل ملک ہی نہ ہو مثلاً قصاص یا مدعی علیہ اس امر سے انکاری تھا کہ یہ حق مدعی ہے؛ تو ان دونوں صورتوں میں مدعی علیہ کے حق میں فقط دعوی سے براءت ہوگی" (بہار شریعت رج ۲، ح ۱۳،ص ۱۱۳۴، الدر المختار رکتاب الصلح، ج ۸ص ۴۶۸)

صلح کی تین صورتیں ہیں:

(۱) مدعی علیہ حق مدعی کا مقر ہو، یعنی جس کے خلاف دعوی کیا گیا وہ دعوی کرنے والے کے قول کا اقراری ہو (۲) مدعی علیہ حق مدعی کا منکر ہو، یعنی جس کے خلاف دعوی کیا گیا وہ دعوی کرنے والے کے حق کا منکر ہے (۳) مدعی علیہ نے سکوت اختیار کیا، اقرار و انکار کچھ نہیں کیا، یعنی جس کے خلاف دعوی کیا گیا وہ دعوی کرنے والے کے حق کا نہ تو اقرار کیا اور نہ ہی انکار بلکہ خاموش رہا۔

پہلی قسم یعنی اقرار کے بعد صلح میں اگر مال کا دعوی تھا اور مال پر صلح ہوئی تو یہ صلح بیع کے حکم ہے جبکہ صلح خلاف جنس پر ہوئی ہو، لیکن اگر صلح جنس موافق ہی پر ہوئی؛ تو ابرا یعنی بری کردینا یا استیفا یعنی پورا حق وصول پانا یا ربا یعنی سود ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) پہلی قسم یعنی اقرار کے بعد صلح میں اگر مال کا دعوی تھا اور مال پر صلح ہوئی تو یہ صلح بیع کے حکم ہے، اس صلح پر بیع کے تمام احکام جاری ہونگے۔ ایسا ہی (بہار شریعت رج ۲ح ۱۳ص ۱۱۳۵، تنویر الأبصار رکتاب الصلح، ج ۸ص ۴۶۸) میں ہے۔

یعنی حق شفعہ وغیرہ بیع کے تمام احکام جاری ہونگے، لیکن یہ صلح بیع کے حکم میں اس وقت ہے جب خلاف جنس پر مصالحت ہو، مثلاً روپے کا دعوی تھا اور صلح اشرفی یا کسی اور چیز پر ہوئی اور اگر اسی جنس پر مصالحت ہو جس کا دعوی تھا یعنی روپے کا دعوی تھا اور روپے پر ہی مصالحت ہوئی اور کم پر ہوئی یعنی سو کا دعوی تھا پچاس پر صلح ہوئی تو ابرا ہے، یعنی معاف کردینا اور اگر اتنے پر ہی صلح ہوئی جتنے کا دعوی تھا تو استیفا ہے یعنی اپنا حق وصول پالیا اور اگر زیادہ پر صلح ہوئی تو ربا یعنی سود ہے۔ ایسا ہی (بہار شریعت رج ۲ح ۱۳ص ۱۱۳۶، البحر الرائق رکتاب الصلح، ج ۷ص ۴۳۴ -۴۳۵) میں ہے، حالت اقرار کی دیگر مختلف صورتیں بھی ہیں، یہ مقالہ اس کا متحمل نہیں، تفصیل کے لیے بہار شریعت اور الدر المختار وغیرہ مطالعہ کریں۔

دوسری اور تیسری قسم یعنی جس کے خلاف دعوی کیا گیا وہ دعوی کرنے والے کے حق کا منکر ہے یا خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے؛ تو ان دونوں صورتوں میں صلح بیع کے حکم میں نہیں یعنی شفعہ وغیرہ اور بیع کے دیگر احکام جاری نہیں ہونگے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

(۲) دوسری قسم انکار اور (۳) تیسری قسم سکوت کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ مدعی کے حق میں معاوضہ ہے، یعنی جس چیز کا دعوی تھا اس کا عوض پالیا اور مدعی علیہ یعنی مدمقابل کے حق میں یہ بدل صلح یمین اور قسم کا فدیہ ہے، یعنی اس کے ذمہ جو یمین تھی اس کے فدیہ میں یہ مال دے دیا اور قطع نزاع ہے، یعنی جھگڑے اور مقدمہ بازی کی مصیبتوں میں کون پڑے یہ مال دے کر جھگڑا کاٹنا ہے، یہ صلح بیع کے حکم میں نہیں (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۳۶، الدر المختار کتاب الصلح، ج ۸ص ۴۷۰)

مدعی ومدعی علیہ کا اخروی مؤاخذہ:

اقرار کی صورت میں جو مصالحت ہوئی، ہر ایک یعنی دعوی کرنے والا اور جس کے خلاف دعوی کیا دونوں بری الذمہ ہوگئے، لیکن جو مصالحت انکار یا خاموشی کی صورت میں ہوئی، اگر حقیقت کے اعتبار سے اس میں دعوی کرنے والے کا دعوی غلط تھا اور دعوی کرنے والے کو بھی اس کا علم ہے کہ اس کا دعوی غلط ہے؛ تو ایسی صورت میں جس چیز پر مصالحت ہوئی ہے اسے لینا جائز نہیں، اور اگر جس کے خلاف دعوی کیا گیا وہ جھوٹا ہے؛ تو وہ ان دونوں صورتوں میں مصالحت کی وجہ سے دعوی کرنے والے کے حق سے بری نہیں ہوگا، یعنی صلح کے بعد اگر چہ بطور فیصلہ کچھ نہیں ہوسکتا مگر آخرت کا مواخذہ باقی رہے گا، اور ان دونوں صورتوں میں مصالحت کی وجہ سے دعوی کرنے والے کے حق میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا حساب دینا پڑے گا؛ لہذا انکار وسکوت کی صورت میں فریقین کو تامل وتدبر کی ضرورت ہے!

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''انکار یا سکوت کے بعد جو صلح ہوتی ہے اگر واقع میں مدعی کا غلط دعوی تھا جس کا مدعی کو بھی علم تھا تو صلح میں جو چیز ملی ہے اس کا لینا جائز نہیں اور اگر مدعی علیہ جھوٹا ہے؛ تو اس صلح سے وہ حق مدعی سے بری نہیں ہوگا، یعنی صلح کے بعد قضاء تو کچھ نہیں ہوسکتا دنیا کا مؤاخذہ ختم ہوگیا مگر آخرت کا مؤاخذہ باقی ہے، مدعی کے حق ادا کرنے میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا مؤاخذہ ہے مگر جبکہ مدعی خود مابقی سے معافی دیدے'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۳۷، البحر الرائق رکتاب الصلح، ج ۸ص ۴۷۰)

اس لیے حتی الامکان استیفا والی مصالحت ہونی چاہئے جس میں ہر ایک کو اپنا حق مل جاتا ہے، ایسی صورت میں ہر ایک اخروی مواخذہ سے بچ جائے گا، البتہ اگر استیفا والی مصالحت کسی وجہ سے نہ ہوسکے؛ تو آخرت کے مواخذہ سے بچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے، وہ یہ کہ دونوں فریق کی جانب سے عین کے علاوہ حقوق سے معافی و ابرا کا اظہار ہوجائے؛ تو اب دونوں فریق اخروی مواخذہ سے بچ جائیں گے، حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا صلح کے بعد اگر عین کے علاوہ حقوق سے ابرا ومعافی ہوجائے؛ تو مؤاخذہ اخروی سے بھی نجات ہوجائے؛ کیوں کہ عین کا ابرا درست نہیں'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۳۷)

عین کا دعوی اور اس کے بعض پر مصالحت:

اگر کسی شخص نے عین کا دعوی کیا مثلا فلاں مکان میرا ہے اور اس کے کسی ایک جز پر مصالحت ہوئی؛ تو یہ مصالحت درست نہیں، ہاں اس کے جواز کی یہ دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) مکان کے جس جز پر مصالحت ہوئی دعوی کرنے والے کو اس کے علاوہ کچھ اور روپئے وغیرہ دیدئے جائیں؛ تو اب مصالحت درست ہوجائے گی (۲) مکان کے کسی جز پر صلح ہونے کے بعد دعوی کرنے والا باقی اجزا کے دعوی سے دست بردار ہوجائے؛ تو اب مصالحت صحیح ہوجائے گی۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''جس عین کا دعوی تھا اسی کے ایک جز پر مصالحت ہوئی مثلا مکان کا دعوی تھا اسی مکان کا ایک کمرہ یا کوٹھری دے کر صلح کی گئی یہ صلح

جائز نہیں؛ کیوں کہ مدعی نے جو کچھ لیا یہ تو خود مدعی کا تھا ہی اور مکان کے باقی اجزا و حصص کا ابرا کر دیا اور عین میں ابرا درست نہیں، ہاں اس کے جواز کی صورت بن سکتی ہے کہ مدعی کو علاوہ اس جز و مکان کے ایک روپیہ یا کپڑا یا کوئی چیز بدل صلح میں اضافہ کی جائے کہ یہ چیز بقیہ حصص مکان کے عوض میں ہو جائے گی، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک جز پر صلح ہوئی اور باقی اجزا کے دعوے سے دست برداری دیدے'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۳۹، البحر الرائق رکتاب الصلح، ج ۷ ص ۴۳۶، الدر المختار رکتاب الصلح، ج ۸ ص ۴۷۱)

صلح کے بعد گواہ پیش کرنا:

دعوی کرنے والا صلح کرنے کے بعد اگر گواہوں سے اپنا حق ثابت کر کے چیز لینا چاہے؛ تو اب وہ اسے نہیں لے سکتا؛ کیوں کہ جب وہ اپنی چیز کا بدلہ و معاوضہ لے چکا؛ تو اب اسے دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں، ملاحظہ فرمائیں، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''صلح کے بعد اگر مدعی گواہوں سے اپنا حق ثابت کرے اور یہ چاہے کہ میں اس چیز کو لے لوں یہ نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ چیز اگر اس کی ہے تو معاوضہ اس چیز کا لے چکا پھر مطالبہ کے کیا معنی'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۴۰، درر الحکام شرح غرر الأحکام، کتاب الصلح، ج ۲ ص ۳۹۸، الدر المختار رکتاب الصلح، ج ۸ ص ۴۷۵)

جس کے خلاف دعوی کیا گیا تھا اگر وہ صلح کے بعد گواہ پیش کرے کہ دعوی کرنے والے نے صلح سے پہلے ہی اقرار کیا تھا کہ میرا مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں، اس صورت میں اس کا یہ قول مسموع نہیں ہوگا اور صلح بدستور باقی رہے گی، ہاں اگر صلح کرنے والا صلح کے بعد یہ کہے کہ میرا مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں؛ تو اب صلح کے باطل ہونے کا حکم دیا جائے گا، حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''مدعی علیہ نے دعوی سے انکار کر دیا تھا اس کے بعد صلح ہوئی اب وہ گواہ پیش کرتا ہے کہ مدعی نے صلح سے پہلے یہ کہا تھا کہ میرا اس مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں ہے وہ صلح بدستور قائم رہے گی اور اگر مدعی صلح کے بعد یہ کہا کہ میرا اس کے ذمہ کوئی حق نہ تھا تو صلح باطل ہے'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۴۳، الدر المختار رکتاب الصلح، ج ۸ ص ۴۸۱)

صلح کے بعد دوبارہ صلح:

اگر پہلی صلح اسقاط کی صورت میں ہوئی ہے؛ تو دوبارہ صلح کرنا جائز نہیں، اگر دوبارہ صلح کی گئی؛ تو یہ صلح باطل ہے اور پہلی والی صلح ہی صحیح و درست ہے، اور اگر پہلی صلح معاوضہ کی صورت میں ہوئی، اس کے بعد دوسری صلح ہوئی؛ تو اس صورت میں پہلی والی صلح فسخ ہوگئی اور یہی دوسری صلح نافذ و متعین ہوگئی، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''صلح کے بعد پھر دوسری صلح ہوئی، وہ پہلی ہی صحیح ہے اور دوسری باطل یہ جبکہ وہ صلح اسقاط ہوا اور اگر معاوضہ ہو جو بیع کے معنی میں ہو تو پہلی صلح فسخ ہوگئی اور دوسری صحیح جس طرح بیع کا حکم ہے جبکہ بائع نے مبیع کو اسی مشتری کے ہاتھ بیع کیا'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۴۲، الدر المختار مع رد المحتار رکتاب الصلح، ج ۸ ص ۴۸۰)

قاعدہ کلیہ:

''قائدہ کلیہ یہ ہے کہ دائن کی طرف سے اگر احسان ہو تو اسقاط ہے اور صلح جائز ہے اور دونوں کی طرف سے ہو تو معاوضہ ہے'' (بہار شریعت رج ۲ ح ۱۳ص ۱۱۴۴، الدر المختار رکتاب الصلح، فصل فی دعوی الدین، ج ۸ ص ۴۸۵)

شریعت اسلامیہ نے قوم مسلم کو صلح و مصالحت بصورت اکسیر اعظم جو دیا ہے وہ بہت ہی نفع بخش ہے، بس سمجھ میں آنے اور موانع کو پس پشت ڈال کر عملی اقدام کر کے عمل کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی تمام مسلم قوم کو اپنے مسلم بھائی کے تمام حقوق کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور صلح و مصالحت کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

استاذ و مفتی: مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج بستی، یو، پی، انڈیا۔
919936691051/Email:amjadiazhari@yhaoo.com

فروغ اہل سنت

کے لیے اعلیٰ حضرت کا دس نکاتی پروگرام اور ہماری بے توجہی

مولانا سید شہباز اصدق سہسرام

دین متین کی تبلیغ وترسیل ایک اہم فریضۂ دینی ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ہر مومن کا فرض منصبی ہے، رب کریم کا ارشاد گرامی ہے ﴿**کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ**﴾ (آل عمران، آیت: ۱۱۰) ''تم بہتر ہوان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اس پر ایمان رکھتے ہو''۔

دعوت وتبلیغ کے ذیل میں اسلوب دعوت اور انداز تبلیغ کا تقاضۂ وقت کے مطابق ہونا لازم وضروری ہے، رب کریم کا ارشاد اسی کا غماز ہے ''**اُدع الی سبیل ربک بالحکمۃ**'' (النحل آیت 531) ''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے''۔

گویا اللہ رب العزت نے مبلغین اسلام کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ پہلے وہ عصری تقاضوں سے لیس ہو کر میدان دعوت وتبلیغ میں قدم رنجہ ہوں اور کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کریں جو عصری تقاضوں، وقتی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

تیرہویں صدی ہجری کی عبقری اور انقلاب آفریں شخصیت مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ ایک ممتاز فقیہہ، بے نظیر محدث، بے مثل مفسر اور جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے بے مثال عالم ربانی ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز اور یکتائے روزگار، عالمگیر مبلغ اور داعی دین برحق تھے۔

ہندو پاک اور بنگلہ دیش ہی نہیں بلکہ عرب سے لے کر عجم تک تمام ممالک آپ کے دعوتی وتبلیغی حصار میں تھے، لاریب تبلیغ رضا کی خوشبو سارے عالم میں پھیلی، جس پر بیرون ممالک سے آنے والے سینکڑوں فتاوے اور معاصر علماے عرب وعجم کے مدحیہ تأثرات شاہد ہیں۔

اس عظیم عالمگیر مبلغ نے دین کی تبلیغ وترسیل کے لیے احوال و وقائع زمان ومکان کے مطابق جن اصول وقوانین کو بروئے کار لایا اور قوم کے افراد کو جس خط پر کار تبلیغ مستقیم کرنے کی فہمائش کی وہ ''دس نکاتی پروگرام'' سے معروف ہے اور اکثر تصانیف اہل سنت کے BackTitle پر جلی حروف میں باصرہ نواز ہوتا ہے۔

فروغ اہل سنت کے لیے امام اہل سنت کا دس نکاتی پروگرام یہ ہے:

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔

(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں

پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں۔

(۶) حمایت مذہب و ردّ بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹، صفحہ ۵۹۹)

بلاشبہ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فراہم کردہ مذکورہ ''دس نکاتی پروگرام'' علم دین کے فروغ، مذہب و مسلک کے استحکام، دین حنیف کی ترویج و اشاعت کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، ان اصولوں میں جمود، تعطل، وقتی ضرورت سے انحراف اور فکری انحطاط نہیں ہے بلکہ کشادہ قلبی، اعلیٰ ظرفی اور زمانے کے کاندھے سے کاندھا ملا کر عملی اقدام کرنے کی سعی ہے۔ جسے بجا طور پر تبلیغی مشن کے لیے ''سنہرے اصول'' اور ''عظیم انقلاب آفریں لائحہ'' کی حیثیت حاصل ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی جانب سے پیش کیے ہوئے ان سنہرے اصول کو آج تقریباً سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر رہا ہے، سوال یہ ہے کہ اس ایک صدی میں ہم ان اصولوں پر کس قدر کاربند ہوئے؟ ان اصولوں کو بروئے کار لانے میں ہم نے کیا پیش رفت کی، اور اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟

جواب تلاش کرنے سے قبل بیسویں صدی کے زینہ سے مڑ کر انیسویں صدی کے حالات پر نظر ڈالیے تاکہ ماضی کے تناظر میں حال کی ترقی یا تنزلی کا صحیح اندازہ ہو سکے، مذکورہ دس نکاتی پروگرام سے معاً پہلے اسی صفحہ پر سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اپنے عہد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں، کوئی اخبار، پرچہ آپ کے یہاں نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدر حاجت آپ کے پاس نہیں، جو کچھ کر سکتے ہیں فارغ البال نہیں، جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں، بعض نے خون جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے، کسی طرح سے کچھ چھپا تو اشاعت کیونکر ہو، دیوان نہیں، ناول نہیں کہ ہمارے بھائی دو آنے کی چیز ایک روپیہ دے کر شوق سے خریدیں، یہاں تو سر چپیٹنا ہے، روپیہ وافر ہو تو ممکن ہے کہ یہ سب شکایت رفع ہوں''
(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹، صفحہ ۵۹۹)

ماضی کے اس صاف وشفاف آئینہ میں حال کو رکھیں اور فیصلہ کریں، کیا حالات کچھ بدلے ہیں، نہیں ہرگز نہیں، مرور ایام سے زمانہ میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی ہے لیکن جماعتی سطح پر جہاں ہم کل تھے وہیں آج ہیں بلکہ ہمارا جماعتی ذوق ہر لحظہ تنزلی کا شکار ہو رہا ہے۔

کیا آج بھی اہل سنن کے آنگن میں ایک دو کے علاوہ ایسے مدارس ہیں جو صوری و معنوی اعتبار سے ہم آہنگ ہوں، جس کی بلڈنگ بھی عظیم الشان ہو اور تعلیمی معیار بھی مہتمم بالشان ہو، اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک عزیز میں مدارس کی بہتات ہے، بکثرت مدارس ہیں جن میں دورۂ حدیث تک روایتی تعلیم ہو رہی ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ باستثنا چند اکثر مدارس میں نظم ونسق کے فقدان اور وقتی ضرورتوں سے انحراف کے سبب تعلیم کی پوزیشن ناگفتہ بہ ہے۔

بزرگ عالم دین حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق چشتی صاحب نے اپنے تجربات کی روشنی میں بڑی سچی بات لکھی ہے:

''چھوٹے مدارس جو جگہ جگہ کثرت سے قائم ہیں ان میں غیر ضروری اداروں کی طویل فہرست ہے جن کا دائرۂ کار لاؤ، کھاؤ اور کھلاؤ تک محدود ہے یہ بڑے ادارے کا حق مارنے کے سوا کچھ نہیں کررہے ہیں، اب رہ گئے وہ ادارے جو ضرورت کے تحت قائم ہیں ان پر بھی ادبار طاری ہے، کبھی مدرس غائب ہے تو کبھی طلبا بھاگے جارہے ہیں اور کبھی مدرسہ کا بجٹ جواب دے چکا ہے، مدارس کی بہتات نے عوام کو بے توجہ، طلبا کو خود سر اور ذمہ داروں کو بے غرض بنادیا ہے'' (خطرات کے بادل، ص۱۲۳)

مدارس اسلامیہ میں پڑھنے والے طلبہ عموماً غریب گھرانے کے ہوتے ہیں جن کے لیے اپنا ماہانہ خرچ ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے، باپ کی کمائی ہے نہیں اور طلبہ کے وظائف کا کوئی چلن ہماری جماعت میں متصور نہیں، ناچار ایسے طلبہ مدارس کو خدا حافظ کہہ کر عصر حاضر کی ان سرکاری درسگاہوں میں بیٹھا دیئے جاتے ہیں جہاں وظائف کا تصور زور وشور سے ہے یا پھر کسی دوکان پر نوکر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ امرا کو ان کی Image نے مدارس میں اپنی اولاد کے ایڈمیشن سے باز رکھا، ادھر غریب بچے بھی مدارس کی چہار دیواری سے باہر کردیئے گئے....اے بسا آرزو کہ خاک شد۔

مدارس کے مدرسین اور اساتذہ کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہے، نظمائے مدارس سے مدرسین کی بیش قرار تنخواہ کی امید ہی کیا ہے جبکہ وہ مدرسین کی واجبی تنخواہ بھی دینے کے روادار نہیں۔

طلبہ کی ذہن سازی، کردار سازی اور استعداد وصلاحیت کے صحیح استعمال سے معلمین واساتذہ کی غفلت ارباب مدارس پر مخفی نہیں، سچ پوچھئے تو عہد حاضر کے اساتذہ اپنے تلامذہ کا بس اتنا حق تصور کرتے ہیں کہ کورس کی تکمیل پر عوام اہل سنت کے جم غفیر میں مقتدر علما ومشائخ کے مقدس ہاتھوں ان کے سر پر پگڑی باندھ دیں، اس کے بعد نہ اساتذہ کو طلبہ سے غرض اور نہ طلبا کو اساتذہ سے سروکار، ایسے میں سربراہان مدارس اور معلمین کی جانب سے طبائع طلبا کی جانچ اور اس کے مطابق انہیں اچھی تنخواہیں دلا کر مناصب شرعیہ پر فائز کرنے کا سوال ہی کیا ہے۔

دینی مصنفین اور مبلغین کے ساتھ بھی اپنی جماعت کا یہی رویہ ہے، مصنفین بڑی مشکلات سے ریسرچ وتحقیق کی خاردار وادی عبور کر کے حمایت مذہب ومسلک میں کوئی مرقع تیار کرتے ہیں جس پر انھیں معاوضہ کی کوئی امید نہیں ہوتی، معاوضہ کی امید کجا اس کتاب کی طباعت واشاعت کا بار بھی ان ہی کے نحیف کندھے پہ رہتا ہے۔ جدوجہد سے اگر مصنف نے اپنی تصنیف کی اشاعت کرالی تو سبحان اللہ! ورنہ ان کے انتقال تک وہ عظیم علمی سرمایہ منتظر اشاعت رہے گا اور انتقال کے بعد اس کا خدا ہی حافظ۔ جلسہ وجلوس پر لاکھوں روپیہ تاش کی پتوں کی طرح اڑا دینے والے ارباب ثروت کو اس دینی فریضے کی ضرورت اور اہمیت سوجھتی ہی نہیں کہ وہ اس طرف توجہ کریں، کیونکہ نہ تو یہاں ان کے ذوق کے مطابق حاجی صاحب، سیٹھ صاحب کے لیے بطور خاص شعر نذر ہے، جیسے بازاری جملے سننے کو میسر آئیں گے اور نہ ہی ہاتھ اٹھا کر نعرہ لگانے کو ملے گا۔ یہ کوئی افسانوی بات نہیں بیان حقیقت ہے۔ آپ اہل سنت کے مصنفین کی فہرست تصانیف ملاحظہ کرلیں، ان میں کثرت ان تصانیف کی ہوگی جن کے سامنے غیر مطبوعہ لکھا ملے گا، سرکار اعلیٰ حضرت اور دیگر اکابر اہل سنت کی متعدد تصانیف آج بھی غیر مطبوعہ ہیں، آپ اندازہ فرمائیں ایوان نجدیت و وہابیت میں زلزلہ برپا کردینے والی تصانیف کے ساتھ ہمارا رویہ یہ تھا کہ وہ برسوں سے نایاب تھیں وہ تو خدا بھلا کرے طلبا اشرفیہ مبارکپور اور طلبا امجدیہ گھوسی کا جنھوں نے ایسی کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور طلبا اشرفیہ کے تعاون سے انوار آفتاب صداقت، انوار ساطعہ، تقدیس الوکیل، نصر المقلدین الصوارم الھندیہ، وغیرہ اور طلبا امجدیہ کے تعاون سے البوارق اللامعہ منصۂ شہود پر آنے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

اخبار ورسائل کے سلسلے میں بھی ہماری غفلت اور بے توجہی کا فسانہ دراز ہے، سنی دنیا میں صوری ومعنوی لحاظ سے مذہبی میگزین کی اشاعت کا سلسلہ تو دراز ہوا ہے لیکن اخبار کی اشاعت کا حال اب بھی افسوسناک ہے۔ تلاش بسیار کے بعد بھی روز نامہ سنی اخبار تک رہنمائی نہ ہوسکی ہاں چند ہفتوار اور ماہانہ اخبار ہیں جو مذہبی دنیا میں

جماعت کا نام بچائے ہوئے ہیں، طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی میں دس سالہ قیام کے دوران صرف ایک ماہانہ اردو اخبار نظر نواز ہوا جو وقتاً فوقتاً قبلہ استاذ گرامی حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی صاحب مدظلہ العالی کے نام مالے گاؤں سے آیا کرتا تھا، اس کے برخلاف ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے تقریباً تمام مشہور ومعروف اردو اخبار پر غیروں کا قبضہ وتسلط ہے، یا تو وہ اخبار ہی ان کا ہے یا پھر اس کے تمام اعلیٰ عہدوں پر وہ فائز ہیں۔ یہی صورت حال ہماری جماعت کے تقریباً ہر شعبہ کی ہے جبکہ کشمیر سے کنیہ کماری تک ہر چھوٹے بڑے علاقے میں اہل سنت وجماعت کی عظیم اکثریت ہے، سنجیدگی سے سوچیں تو جماعتی زبوں حالی کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم جماعتی سطح پر منظم ومتحد نہیں ہیں، انفرادی طور پر ہم اگر کچھ کر بھی رہے ہیں تو وقتی ضرورتوں اور چیختے تقاضوں سے انحراف کے سبب کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار ہا خواہش کے باوجود سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ''دس نکاتی پروگرام'' کے ساتھ عملی طور پر انصاف کرنے میں ہم ناکام نظر آرہے ہیں۔ مقام افسوس! افسوس کرنے اور دست بفرق ہوکر آہیں بھرنے سے آج تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلی، دانائی اسی میں ہے کہ علما فضلا، عوام وخواص شیرازہ بند طریقے سے اپنی اجتماعی قوت کے ساتھ میدان عمل میں آئیں، اخلاص، ایثار اور نصرت خداوندی کے سہارے ''پروگرام رضا'' کو بروئے کار لاکر دین متین کی تبلیغ کو مؤثر اور کامیاب بنائیں۔

اس مقام پر سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ کا یہ فکر انگیز اقتباس چشم دل سے پڑھیں: ''اگر آپ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے جینا چاہتے ہیں تو وہ اسلوب زندگی اختیار کیجئے، جو ایک زندہ قوم کی نشانی ہے، اسباب ووسائل سے منھ موڑ کر جینے کی آرزو کرنا، ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مترادف ہے'' (ماہنامہ جام نور کلکتہ، شمارہ نومبر ۶۸ء)

سید شہباز اصدق مدرسہ غوثیہ گلزار اصدق سہسرام، بہار

☆☆☆

صفحہ 10 کا بقیہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں خیال نہ رکھوں تو میری تہبند کی ایک جانب ڈھلک جاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کپڑا گھسیٹ کر چلنے کی ممانعت کی وجہ تکبر ہے، اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو ممانعت نہیں۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں: جن احادیث میں مطلقا آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے، اس سے مراد وہ کپڑا جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو، کیوں کہ یہ احادیث مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔ (شرح مسلم نووی جلد: ۲، صفحہ: ۱۹۵)

صفحہ 13 کا بقیہ:

اور حضور فقیہ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں:

عورت کو خلیفہ بنانا صحیح نہیں کہ ائمہ باطن کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہوسکتی (فتاوی فیض الرسول ثانی ص: ۶۲۸) اور فتاویٰ مرکز تربیت افتا میں ہے کہ لڑکیاں سجادہ نشین نہیں بن سکتیں، فتاویٰ رضویہ میں ہے ''اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کا مرد ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا سلف صالحین سے آج تک کوئی عورت نہ پیر بنی نہ بیعت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''**لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**'' **رواه الائمه احمد والبخاري والترمذي والنسائي عن أبي بكرة رضي الله عنه.** (ج: ۲۱ ص: ۴۹۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عالمگیر رضوی مصباحی

۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

تعلیمی مسائل

قسط ششم

طلبائے مدارس اورفاصلاتی تعلیمات

طارق انور مصباحی (کیرلا)

چیتے کا جگر چاہئے، شاہین کا تجسس
دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنگ

مدارس اسلامیہ کے طلبا،نظام فاصلاتی تعلیم (Distance Education System) کے ذریعہ میٹریکولیشن ،انٹرمیڈیٹ ،گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کے کورسز اورڈگریاں حاصل کرسکتے ہیں۔اسی طرح مختلف حکومتی اداروں اور یونیورسٹیز سے مختلف قسم کے سرٹیفکیٹ پروگرام اور ڈپلوما بھی کرسکتے ہیں۔یعنی دسویں کلاس سے ماسٹر تک کی ڈگریوں اورکورسز کے حصول کے لیے انہیں کہیں مستقل طور پرکلاس میں حاضری کی ضرورت نہیں۔بلکہ صرف امتحانات میں شرکت لازم ہے اورانہیں امتحانی مضامین کی تیاری کرنی ہے۔ملک ہندمیں بہت سی یونیورسٹیوں میں فاصلاتی تعلیم کانظم ہے۔مدارس اسلامیہ کے طلبا اورنو فارغین فاصلاتی تعلیم سے منسلک ہونے کی کوشش کریں،تاکہ ان کامستقبل بھی روشن ہو،نیزوہ مختلف شعبہائے حیات میں قوم کی بھی صالح رہنمائی کرسکیں اوران کی ذات ملک وملت کے لیےایک مینارۂ نوراورروشن چراغ کےمماثل ہوجائے۔قوم مسلم ،علمائے اسلام کواپنارہبرورہنماتسلیم کرتی ہےاور ہماراحال یہ ہے کہ نہ ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہے کہ ہم اسلام اورقوم وملت پرڈالی جانے والی مصیبتوں کا دفاع کرسکیں ،نہ آج تک ہم نے ایسی قوت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
جسے نہ ہوخیال خودہی اپنی حالت بدلنے کا

ہندوستانی مسلمانوں کومختلف اطراف وجوانب سے نوع بہ نوع مشکلات کا سامنا ہے۔ہندوستان میں مسلم آبادی کے تناسب سے حکومت ہند کے تمام شعبہ جات ومحکمہ جات میں مسلمانوں کی ایک مختص تعداد کی شمولیت ضروری ہے،تاکہ اسلام مخالف یامسلم مخالف اٹھنے والے فتنوں کا حل وہیں پرہوجائے،جہاں سے غلط فہمیوں کا بیج بویا جارہا ہو۔یہ سب اسی وقت آسان ہوگا کہ جب ان محکمہ جات میں مسلمان موجود ہوں اوروہ دینی ومذہبی اصول وقوانین سے واقف وآشنا ہوں۔کوشش کی جائے کہ جس طرح پسماندہ طبقات کے لیے ریزرویشن یعنی مختص کوٹا(Quota) ہے،اسی طرح قوم مسلم کے لیےبھی ہرشعبہ میں مختص حصہ محفوظ کیا جائے۔

حالات حاضرہ سے کون بے خبر ہے؟ دورحاضر میں عالمی پیمانے پربھی آئے دن اسلام اورمسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش ہورہی ہے،اسی طرح ملکی حدود میں بھی کسی نہ کسی طرح اسلام اور مسلمانوں کا شکنجہ کسنے کے لیے مختلف حربے بروئے کارلائے جارہے ہیں۔ہندوستان کی آزادی کوقریباً ستر سال ہوگئے اورآج تک تمام سیاسی پارٹیاں قوم مسلم کوصرف ووٹ بینک کے طور پر استعمال کرتی رہی ہیں،پھرحکومت قائم ہوجانے کے بعد یہ سیاسی پارٹیاں اپنے تمام وعدے فراموش کربیٹھتی ہیں۔قوم مسلم آج تک سیاسی پارٹیوں کا کھلونا بنی ہوئی ہے۔الیکشن کے وقت مسلمانوں کاووٹ حاصل کرنے کے لیے ہرپارٹی کوئی مسلم چہرہ لے کر مسلمانوں کے درمیان اترتی ہےاوران خودغرض اورمفاد پرستوں کا

چہرہ دیکھ کر قوم مسلم اس پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دیتی ہے ۔ یہ چہرے درحقیقت قوم کے سوداگروں کے چہرے ہوتے ہیں۔

اب شاہی حکومت تو موجود نہیں ، پس لامحالہ ریاستی اسمبلی اور ملکی پارلیامنٹ تک قوم مسلم اور خصوصاً علمائے کرام کو رسائی حاصل کرنی چاہئے۔ دیگر اسباب وعلل کی بنیاد پر بھی اسمبلی اور پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے ، مثلاً حالیہ دنوں میں مرکزی حکومت ''مسلم پرسنل لا'' (Muslim Personal Law) میں تبدیلی کی تجویز پیش کر رہی ہے۔ اگر مسلم ممبران پارلیامنٹ کی قابل قدر تعداد ہوتی تو ایسی تجویز پارلیامنٹ سے باہر نہ آسکتی تھی ، بلکہ پارلیامنٹ کے اندر ہی دم توڑ دیتی۔ مذہب اسلام کو دہشت گردی کا مذہب بتانا ، مسلمانوں کو قدامت پسند کہنا ، حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مختلف قسم کے اعتراضات کرنا ، قرآن مجید کی ۲۴/ آیات مبارکہ کو دہشت گردی کی تعلیم دینے والی آیات قرار دینا ، مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ بتانا ، مسلم نوجوانوں پر جھوٹے الزامات عائد کر کے جیلوں میں ڈالنا ، گھر واپسی کے نام پر مسلمانوں کو مرتد بنانا ، گائے کے نام پر مسلمانوں کو دہشت میں مبتلا کرنا ، وندے ماترم نہ پڑھنے پر غداری وطن کا الزام ، لو جہاد ، توہین عدالت وغیرہا الزامات ۔ خلاصہ کلام یہ کہ مسلمان ہونا ہندوستانی جرم قرار پایا ۔ ان مشکلات کا حل اور ان الزام تراشیوں پر کنٹرول اسی وقت آسان ہوگا کہ جب آپ وہاں مسند نشیں ہوں ، جہاں سے یہ راگ الاپے جارہے ہیں۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندی مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

حکومت ہند کے تین بڑے حصے ہیں ۔ (۱) مقننہ (۲) منتظمہ ۔ (۳) عدلیہ ۔ مجلس مقننہ (Legislative) یعنی اسمبلی و پارلیامنٹ کے ساتھ حکومت کی مجلس منتظمہ (Executive) اور عدلیہ (Judiciary) میں بھی معتد بہ مقدار میں مسلمانوں کی شمولیت ہونی چاہئے ۔ فوج کے تینوں حصوں بریہ (Army) ، بحریہ (Navy) فضائیہ (Air Force) میں بھی مسلمانوں کو حصہ لینے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ علمائے کرام حکومت کے تینوں شعبہ جات یعنی مقننہ ، منتظمہ اور عدلیہ میں منضم ہوسکتے ہیں اور ان شعبہ جات میں موجود مسلمانوں کی اصلاح اعمال اور ان کے ایمان وعقائد کا تحفظ کرسکتے ہیں ۔ اسمبلی (Assembly) یا پارلیامنٹ (Parliament) کے الیکشن (Election) میں بھی امیدوار (Candidate) ہو کر قسمت آزمائی کی جاسکتی ہے ۔ تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا حکم بھی شریعت اسلامیہ میں موجود ہے ۔ ہاں ، تدبیر ہی کو کامیابیوں کا ضامن اعتقاد کر لینا ضرور قابل اعتراض ہے ۔

ہم کو بننا ہے نشان راہ منزل دوستو
ہم اگر بھٹکے تو سارا کارواں کھوجائے گا

اگر مدارس اسلامیہ کے فارغین ، گریجویشن (Graduation) اور پوسٹ گریجویشن (Post Graduation) کرلیں تو یونین پبلک سروس کمیشن (Union Public Service Commission) کی جانب سے منعقد ہونے والے مقابلہ جاتی امتحان CSE (Civil Services Examination) میں شریک ہوسکتے ہیں اور اعلیٰ حکومتی عہدوں کو حاصل کرسکتے ہیں ۔ اس امتحان میں شرکت کے لیے گریجویٹ ہونا شرط ہے ۔ امتحان تحریری بھی ہوتا ہے اور زبانی بھی ، جس کو انٹرویو (Interview) کہا جاتا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل مضمون میں تفصیلات رقم کروں گا ۔ UPSC کے امتحان میں کامیابی کے بعد مختلف شعبہ جات میں سروس ہوسکتی ہے ۔ ان میں سے چند مرقومہ ذیل ہیں ۔

1-IAS (Indian Administrative Service)
2-IPS (Indian Police Service)
3-IFS(Indian Foreign Service)
4-Indian Audit and Account Service
5-Indian civil Accounts Service
6-Indian Corporate Law Service
7-Indian Defence Accounts Service
8-Indian Information Service
9-Indian Ordnance Factories Service

10-Indian Post & Telecommunication

فاصلاتی تعلیم کی بعض یونیورسٹیز اور اداروں کا تعارفی خاکہ ذیل میں رقم کیا جاتا ہے، تاکہ طلبائے مدارس اور نو فارغین اس جانب متوجہ ہوں اور اپنے مستقبل کا دلکش نقشہ از خود تیار کرنے کی کوشش کریں۔

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی (IGNOU) (دہلی)

''اگنو'' (Indira Gandhi National Open University) میں فاصلاتی تعلیم کا انتہائی اچھا انتظام ہے، بلکہ ہندوستان میں فاصلاتی تعلیمات کی سب سے عظیم یونیورسٹی ''اگنو'' ہی ہے۔ سال ۱۹۸۵ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ اکثر تعلیمی ڈگریاں انگلش میڈیم ہیں۔ بعض ڈگریاں ہندی، اردو اور دیگر مقامی زبانوں میں بھی ہیں۔ اردو زبان وادب کی ڈگریاں، اردو میڈیم ہیں۔ بی اے (اردو) میں ایڈمیشن سے قبل انٹرنس اگزام (.Entrance exam) میں شرکت کرنا ہوگا۔ کامیابی کے بعد امیدوار داخلہ کا مجاز ہوگا۔ دوسری شکل یہ ہے کہ انٹرمیڈیٹ یا اس کے مماثل کوئی منظور شدہ سرٹیفکیٹ ہو، تب اس سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر بلا امتحان، داخلہ ہوگا۔ ملک بھر میں اگنو کے پچاس علاقائی مراکز ہیں اور اسٹڈی سنٹرز بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ تفصیلات کے لیے اگنو کی ویب سائٹ دیکھیں۔ (www.ignou.ac.in)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (M A N U U) (حیدرآباد)

''مانو'' (Maulana Azad National Urdu University) میں بھی فاصلاتی تعلیمات کا بہت عمدہ نظم ہے۔ بہت سے سرٹیفکیٹ پروگرام، ڈپلوما اور ڈگریاں اردو میڈیم ہیں۔ سال ۱۹۹۸ء میں مانو کا قیام ہوا۔ ہندوستان بھر میں مانو کے نو علاقائی مراکز (Regional Centers) اور چھ ماتحت علاقائی مراکز (Sub-Regional Centers) ہیں۔ مزید معلومات کے لیے مانو کی ویب سائٹ دیکھیں۔ (www.manuu.ac.in)

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ (NIOS) (دہلی)

''این آئی او ایس'' (National Institute of Open Schooling) کے ذریعہ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ یعنی دسویں، گیارہویں اور بارہویں کلاس کے امتحانات، فاصلاتی نظام تعلیم کے تحت منعقد ہوتے ہیں یعنی کسی اسکول یا کلاس میں حاضری شرط نہیں۔ صرف چار/ پانچ مضامین ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ گورنمنٹ سروس کے لیے کم ازکم 10+2 کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ این آئی او ایس کے امتحانات میں شریک ہوکر میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کا سرٹیفکیٹ حاصل کریں، پھر مختلف محکمہ جات کی ویکینسی (vacancy) کا اعلان ہوتا رہتا ہے، اس کے امتحان میں شرکت کریں۔ این آئی اوایس کے اگزام سنٹرز اور اسٹڈی سنٹرز ہندوستان کی ہر ریاست اور قریباً ہر ضلع میں ہیں۔ بہت سی ریاستی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے ویب سائٹ دیکھیں۔ (www.nios.ac.in)

قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو (NCPUL) (دہلی)

قومی اردو کونسل (National Council for Promotion of Urdu Language) کی جانب سے اردو داں طبقہ کے لیے متعدد فاصلاتی کورسز اور ڈپلوما کا انتظام ہے۔ عربی زبان کا بھی دو سالہ ڈپلوما ہے۔ اردو کونسل کے پروگراموں سے استفادہ کیا جائے۔ تفصیلی معلومات کے لیے اردو کونسل کی ویب سائٹ دیکھیں۔ (www.urducouncil.nic.in)

ڈاکٹریٹ اور حکومتی وظائف

آج کے عہد میں فاصلاتی تعلیم علمائے کرام اور طلبائے مدارس اسلامیہ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ کی طرح ہے۔ وہ فاصلاتی تعلیم کے ذریعہ بہت سے سرٹیفکیٹ پروگرام، ڈپلوما، کورسز اور ڈگریاں حاصل کرسکتے ہیں۔ پوسٹ گریجویشن کے بعد وہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کرسکتے ہیں۔

ہر سال ملک گیر پیمانے پر یو جی سی (University grants commission) کی جانب سے سال میں دو مرتبہ یعنی جون اور دسمبر میں تین پرچوں پر مشتمل نیٹ اگزام (National Eligiblity Test) منعقد ہوتا ہے۔ جو امیدوار اس اگزام میں

کامیاب ہوتا ہے، وہ پی ایچ ڈی کرنے کے واسطے جے آر ایف (Junior Research Fellowship) کا مستحق قرار پاتا ہے۔ پی ایچ ڈی کی پانچ سالہ مدت میں سے ابتدائی دوسالوں تک اسے وظیفہ کے طور پر ہر ماہ سولہ ہزار روپے دیئے جاتے ہیں۔ اور دوسال کے بعد JRF بدل کر SRF (Senior Research Fellowship) ہوجاتا ہے اور ہر ماہ اٹھارہ ہزار روپئے دیئے جاتے ہیں۔ نیٹ اگزام کے تین پیپروں میں سے ایک پیپر جنرل نالج کے بارے میں ہوتا ہے۔ دوسرا اور تیسرا پیپر پوسٹ گریجویشن کے مضامین سے متعلق ہوتا ہے۔ ان دوپیپروں میں سے ایک پیپر امیدوار کے اختیاری مضمون سے متعلق ہوتا ہے اور ایک پیپر جنرل سبجیکٹ کے بارے میں ہوتا ہے۔

ذرا آپ سوچیں! پی ایچ ڈی کے ایک طالب علم کو حکومت ہر ماہ اتنی خطیر رقم دیتی ہے، جبکہ ائمہ مساجد اور مدارس عربیہ کے مدرسین کو پورے ہندوستان بھر میں شاید ہی کوئی ایسی پبلک کمیٹی ہو، جو اتنی تنخواہ دیتی ہو۔ نیٹ اگزام کے بارے میں مزید معلومات کے لیے اس کی ویب سائٹ دیکھیں۔ (www.ugc.ac.in)

نوجوانو! وقت کی آواز پہچانو، اٹھو۔

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

برق رفتاری کے ساتھ بدلتا ہوا زمانہ اپنے ساتھ نئے تقاضوں کو لے کر آتا ہے۔ قوم مسلم جب تک زمانے کے تقاضوں پورا کرتی رہی، تب تک تاج شہنشاہی ان کے ہی سروں پر جگمگاتا رہا۔ زمام قیادت ان کے ہی ہاتھوں گردش کرتی رہی۔ کئی صدیوں تک مسلمان ہی علم وفن کی سربراہی کرتے نظر آئے۔ ایک مدت بعد مسلمانوں میں فکری زوال پیدا ہوا۔ لاکھوں وفاداروں کے بیچ چند غدار بھی پیدا ہوگئے، جنھوں نے خلافت اسلامیہ وسلطنت مسلمین کا نام ونشان دنیا سے مٹادیا۔ خلافت عباسیہ (بغداد) ہو یا خلافت امویہ (اسپین) سلطنت عثمانیہ (ترکی) ہو یا سلطنت مغلیہ (دہلی)، ہر جگہ کسی نہ کسی جعفر وصادق نے جنم لیا اور اسلام کے عروج کو تہ وبالا کرکے رکھ دیا۔ وفاداروں کے عزائم ملیا میٹ ہوگئے اور غداروں کی وجہ سے اسلامی سلطنتیں شکست وریخت کا شکار ہوگئیں۔ ایک غدار، لاکھوں وفاداروں کی وفاداری کو ناکام بنادیتا ہے، گرچہ غداروں کو بھی کوئی قابل قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ درحقیقت غداری، فساد نیت اور فکری اضمحلال کا ایک بدنما نتیجہ ہوتی ہے۔ غداران قوم وملک، اقوام عالم کی تباہی وبربادی کے مجرم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود کو بھی نقصان میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے ملک وملت کو بھی۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

جعفر از بنگال صادق از دکن
ننگ دیں ننگ خاندان ننگ وطن

آج بھی اگر قوم مسلم ملک ہند کے موجودہ سیاسی حالات پر غور وفکر کرکے کوئی اچھی پلاننگ کرلے تو ضرور اس کا خوش نما ثمرہ ہمیں دیکھنے کو ملے گا۔ حکومت وسیاست اور قیادت وسیادت ہماری جانب بڑھتی نظر آئے گی۔ کارنامے انجام دیئے جاتے ہیں، نہ کہ کارنامے خود بخود انجام پاجاتے ہیں۔ اپنے آپ کو کارناموں کا اہل بنایا جائے۔ اپنے شخصی مفاد کو بھی مدنظر رکھا جائے اور قومی مفاد کا بھی تحفظ کیا جائے۔ خود غرضی اور مفاد پرستی سے معاشرہ کو پاک کیا جائے۔ قوم کا رہنما، مثالی رہنما ہو۔

پہلے قوت فکر وعمل فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

سیاست سے دوری مفید یا مضر؟

عہد حاضر میں اگر مسلمان حکومت وسیاست سے دور ہٹنے کی کوشش کریں گے تو انہیں ہندوستان میں دوسرے درجے کا شہری بن کر زندگی گذارنی پڑے گی، یعنی وہ صرف ہندوستان میں زندگی گذار سکتے ہیں، لیکن نہ تو انہیں اسمبلی وپارلیامنٹ کے الیکشن (Election) میں ووٹ دینے کا حق ہوگا، نہ ہی ان انتخابات میں انہیں امیدوار (candidate) ہونے کی اجازت ہوگی۔ قوم مسلم جو ہندوستان میں قریباً ہزار سال تک حاکمانہ شان وشوکت کے ساتھ رہی، اسے محکوم وتابع فرمان بنانے کی تمنائیں متعصبین کے دلوں میں کب سے انگڑائیاں لے رہی ہیں۔ نوجوانو! وقت کی پکار

کوسنو،اورترقیاتی میدانوں میں خودکو آگے لے جانے کی کوشش کرو۔تمہارے بارے میں اقوام عالم کے عزائم بڑے خطرناک ہیں۔ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا، جب سے اب تک گذشتہ ستر سالوں میں قریباً پچپن سال کانگریس پارٹی ہی مرکز میں برسراقتدار رہی ہے۔اس پارٹی کو قوم مسلم اپنا خیرخواہ اور ہمدرد سمجھتی ہے ،لیکن مسلمانوں کو کیا ملا؟طفل تسلی اورخوشنما وعدوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔

مرکزی حکومتوں کا اجمالی خاکہ

(۱) کانگریس کی حکومت:۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء تا ۲۴/ مارچ ۱۹۷۷ء (۲) جنتا پارٹی کی حکومت:۲۴/ مارچ ۱۹۷۷ء تا ۱۴/ جنوری ۱۹۸۰ء (۳) کانگریس کی حکومت:۱۴/ جنوری ۱۹۸۰ء سے ۲/ دسمبر ۱۹۸۹ء تک (۴) جنتا دل کی حکومت:۲/ دسمبر ۱۹۸۹ء تا ۲۱/ جون ۱۹۹۱ء (۵) کانگریس کی حکومت:۲۱/ جون ۱۹۹۱ء تا ۱۶/ مئی ۱۹۹۶ء (۶) بی جے پی کی حکومت:۱۶/ مئی ۱۹۹۶ء تا ۱/ جون ۱۹۹۶ء (۷) جنتا دل کی حکومت:۱/ جون ۱۹۹۶ء تا ۱۹/ مارچ ۱۹۹۸ء (۸) بی جے پی (NDA) کی حکومت:۱۹/ مارچ ۱۹۹۸ء تا ۲۲/ مئی ۲۰۰۴ء (۹) کانگریس (UPA) کی حکومت:۲۲/ مئی ۲۰۰۴ء تا ۲۶/ مئی ۲۰۱۴ء (۱۰) بی جے پی (NDA) کی حکومت:۲۲/ مئی ۲۰۱۴ء سے تادم تحریر۔

بابری مسجد کے انہدام کا حقیقی سبب:

6 / دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد صرف اس لیے منہدم کردی گئی کہ اقوام ہند کو معلوم ہوجائے کہ ملک ہند میں ہندو قوم کی اکثریت (Majority) ہے، یہاں قوم ہنود کی بالا دستی قائم ہوگی، آج یا کل دوسری قوموں کو خموشی اختیار کرنی ہوگی۔گرچہ ملک ہند کا دستور جمہوری ہے،لیکن ان قوانین واصول کی غلط تشریح وتاویل کرنا کونسا مشکل امر ہے؟ بھائیو!اگر مسلم اوقاف کی آمدنی ہی قوم مسلم پرخرچ کردی جائے تو بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشی حالت بہت حد تک سدھر سکتی ہے۔لیکن مسلمانوں کا حق بھی قوم مسلم کو نہیں دیا جاتا۔ ہرسیاسی پارٹی نے تمہیں نظرانداز کیا۔اے میری قوم ! جاگو، پھر سوچو، پھر عملی اقدام کرو۔ایسی تدبیر اپناؤ کہ ہند میں مذہب اسلام پر بھی کوئی داغ نہ آنے پائے ،نہ ہی ملک ہند کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوسکے۔نہ کسی کا خون بہے ،نہ ہی کسی کی نینداڑے۔بلکہ مذہب وملک دونوں کو عروج وترقی نصیب ہو۔اسمبلی اور پارلیامنٹ تک خود ہی پہونچنے کی کوشش کرو۔اب تک تم نے ووٹ دے کر صرف دوسروں کے لیے راستہ بنایا ہے۔اب ووٹ لے کر خود بھی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرو۔اگر خود کچھ کرنے کی قابلیت واہلیت نہ ہو تو دوسرے مسلم بھائیوں کی مدد کرو،الیکشن کے موقع پر اپنا ووٹ ضائع مت ہونے دو۔اپنی آئندہ نسل کی بھی عمدہ تربیت کرو۔یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کررہے ہیں،لیکن ساتھ ہی ساتھ بچوں کو دینی تعلیم بھی دی جائے۔

سرزمین ہند کی اسپین نہ بننے پائے
اپنی تاریخ کودہراتے سناتے رہئے

مسلمانو!اپنے آپ کو پہچانو۔

ہندوستان میں نہ مسلمانوں کی اکثریت ہے،نہ ہی اب یہاں ہماری حکومت ہے۔اس لیے یہ نکتہ بھی ہمیشہ مدنظر رکھا جائے کہ ملک ہند میں مسلمانوں کو دوحصوں میں تقسیم ہونے سے بچایا جائے۔یعنی مسلمانوں میں ہی ایک وہ گروپ تیار ہوتا جارہاہے ، جسے ماڈرن (Modern) کہا جاتا ہے۔جب کبھی اہل حکومت یا مغربی ممالک کی جانب سے مسلم مخالف یا اسلام مخالف کوئی موضوع سر اٹھاتا ہے تو قوم مسلم کا یہ ماڈرن طبقہ خود بھی مذہب اسلام یا مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگتا ہے۔ایسے حواس باختہ لوگوں کا مقصد ہوتا ہے سستی شہرت کمانا اور خود کو انصاف پرست کہلوانا، حالانکہ یہ لوگ مطلب پرست ہوتے ہیں،نہ کہ انصاف پرست۔پس لازم ہے کہ مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی جائے اور علمائے کرام بھی حکومتی مناصب وعہدہ جات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں،تاکہ ایسے آزاد خیال اور ناعاقبت اندیش لوگوں کے باطل افکار ونظریات کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکے۔

اے میری قوم! آج کے عہد میں محض دنیاوی تعلیم بھی ہماری قوم کے لیے نقصان دہ ہے اور خالص دینی تعلیم سے بھی ہماری دنیاوی

ضروریات کی تکمیل ایک مشکل امر ہے۔قوم مسلم دینی علوم وفنون ضرور حاصل کرے، کیوں کہ دنیا میں آنے کا مقصد آخرت ہی کو سنوارنا ہے اور مسلمان دنیاوی تعلیم سے بھی اپنے آپ کو آراستہ کرے ،تا کہ دنیاوی بھلائیاں انہیں میسر آسکیں۔ ہاں،علوم عصریہ سے متأثر ہوکر خودکو مغربی تہذیب وتمدن کا ایک مجسمہ بنا دینا اور اسلام کی عمدہ ترین تہذیب وثقافت سے بیزاری کا اظہار کرنا ضرور ایک معیوب شئ ہے۔علوم شرعیہ سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے بعض حضرات اس طرح کے قلبی امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں یا پھر وہ احساس کمتری کے شکار ہوتے ہیں کہ ترقی یافتہ اقوام کی تہذیب وتمدن سے متأثر ہوکر اسلامی تہذیب وثقافت پر انگلی اٹھاتے ہیں ۔شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے ہمیں ایک قابل تقلید نظریہ سے روشناس کراتے ہوئے کہا۔

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھوں کا خاک مدینہ ونجف
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

ملک ہند میں قوم مسلم کو صرف مذہبی رہنمائی کی ضرورت نہیں ، بلکہ صالح سیاسی ،سماجی واقتصادی قیادت کی بھی ضرورت ہے اور دنیاوی علوم وفنون سے نا آشنا ہونے کے سبب علمائے کرام دنیاوی امور سے پورے طور پر باخبر نہیں ہوتے ،ایسی صورت میں وہ قوم کی رہنمائی ہر محاذ پر نہیں کرسکتے ۔ مدارس اسلامیہ کے ارباب انتظام اگر اپنے نظام ونصاب میں کچھ عصری مضامین شامل فرما کر اپنے بچوں کو فاصلاتی تعلیم سے منسلک کردیں تو بہت اچھا ہوگا۔ جب کبھی ملک کی عظیم درس گاہوں میں انقلابی کیفیت پیدا ہوجائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان میں علمائے کرام کا معیار بدل جائے گا۔اس سے ایک بڑا خوش آئند انقلاب یہ آئے گا کہ علمائے کرام سیاسی ،سماجی واقتصادی امور میں بھی قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں گے اور مختلف حکومتی محکمہ جات میں علمائے اسلام کی شمولیت کے اسباب ووسائل بھی میسر آسکیں گے ۔ جب قوم کے رہنما ترقی یافتہ ہوں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ ترقیاتی امور کی جانب قوم کی بھی رہنمائی کرسکیں گے۔آپ کی ترقی ،قوم کی ترقی ہے۔ہم نے مدارس اسلامیہ کے طلبا اور نو فارغین کو فاصلاتی تعلیم سے منسلک کرنے کے لیے ''حافظ ملت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی رانی بنور کرناٹک' ' کے زیر اہتمام ایک رسالہ بنام ''گائیڈ بک فارڈسٹینس ایجوکیشن'' (Guide Book for Distance Education)طبع کروا کے سال ۲۰۱۱ء سے تادم تحریر ہندوستان کے اکثر مدارس اسلامیہ میں تقسیم کیا اور بہت سے لوگوں نے اس سے استفادہ بھی کیا ۔ہم اسلام اور اہل اسلام کی ترقی چاہتے ہیں ۔یہ اسی وقت آسان ہوگا کہ جب رہنمایان اسلام اور قائدین ملت ہرقسم کی قیادت ورہنمائی کے لائق ہوں۔علمائے کرام بھی ہمارے ساتھ قومی وملی عروج وارتقاء کے لیے کام کریں۔

بین المذاہب مذاکرات:

ہندوستان میں ہندوفرقہ پرست تحریکوں نے ہندو،مسلم عداوت ورقابت کا ایسا دروازہ کھول دیا ہے کہ اسے بند کرنا مشکل نظر آرہا ہے۔ ہندوستان کے اسلامی سلاطین سے متعلق جھوٹے الزامات عائد کرکے قوم ہنود کو مسلسل ورغلایا جارہا ہے اور قوم مسلم سے ان اختراعی جرائم کا انتقام لینے کی سازش بقوت تمام ہورہی ہے۔ چند مشہور الزامات یہ ہیں(۱)مسلم بادشاہوں نے ہندوستان میں ساٹھ ہزار مندروں کو توڑا (۲) موقع بموقع ہندؤں کا قتل عام کیا(۳) بالجبر ہندؤں کو مذہب اسلام میں داخل کیا۔ایک نتیجہ خیز صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ قوم مسلم کی کوئی غیر سیاسی نمائندہ جماعت ان فرقہ پرست قوتوں سے باہمی مذاکرات شروع کرے ،الزامات کی تردید تاریخی روایات ودیگر ذرائع سے کی جائے ۔دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے مابین منافرت کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے ،تا کہ ملک میں امن وسلامتی اور یکجہتی وہم آہنگی کا رنگ ڈھنگ پیدا ہوسکے۔اب ملک ہند میں مساجد الٰہی کی حفاظت کے ساتھ ساجدین الٰہی کا تحفظ بھی ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔مستقبل خوفناک نظر آتا ہے۔

اے گنبد خضریٰ کے مکیں !وقت دعا ہے ﷺ
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

ہندوستانی

مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی حیثیت

تحریر: وقار احمد، دوحہ قطر

ہندوستان میں مسلمان شمال اور جنوب دوسمتوں سے داخل ہوئے. شمال سے داخل ہونے والے گھوڑوں پر سوار ہتھیار بند عجمی فوجی تھے جن کا مقصد ہندوستان کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کرنا تھا اور جنوب سے داخل ہونے والے عربی تاجر تھے جن کے پیش نظر تجارت تھی۔ اس بات سے قطع نظر کہ حملہ آور کا رویہ اپنی مفتوح قوم کے ساتھ اور ایک تاجر کا برتاؤ اپنے گراہک کے ساتھ کیسا ہوتا ہے دونوں سمتوں سے داخل ہونے والوں کے اخلاق اور ایمان میں زمین آسمان کا فرق تھا. جنوب سے داخل ہونے والے عرب تابعین یا ان کی اولاد تھے، صرف تجار نہیں تھے بلکہ اعلی درجہ کے مبلغ اور داعی تھے، اپنے اخلاق واعمال سے وہ اسلام کے ترجمان تھے جبکہ شمال سے داخل ہونے والے فاتحین عجمی تھے، نرے حکمران تھے، انہیں اسلام کی تبلیغ واشاعت سے کوئی غرض نہ تھی وہ محض اپنی حکومت کا استحکام چاہتے تھے. یہی وجہ ہے کہ ان حکمرانوں نے حکومت قائم کرنے کے بعد اپنی زبان مسلط کی، اپنی ثقافت متعارف کروائی یہاں تک کہ کھانے پینے پہننے اوڑھنے سے لے کر رقص وموسیقی تک کو بدل ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان دوریاں پیدا ہوئیں جو وقت کے ساتھ نفرت کی شکل اختیار کرتی چلی گئیں جبکہ دوسری طرف جنوب سے داخل ہونے والے عرب تاجروں نے دلوں کو فتح کیا، زبان نہیں بدلی، لباس اور دسترخوان بھی نہیں بدلا لیکن دنیا بدل گئی نتیجہ سامنے ہے کہ ہزار کوششوں کے باوجود نفرت کے سوداگر مسلم اور غیر مسلم کے درمیان دشمنی پیدا کرنے میں اب تک کامیاب نہیں ہو پائے۔

اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ہمیں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے کہ ہندوستان کی زمین نے مذہب کے نام پر کبھی نفرت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ خواہ کوئی مذہب درآمد کیا گیا ہو یا مقامی پیداوار ہو ہندوستان نے سب کا استقبال کیا ہے. جین دھرم، بدھ مت، سکھ، اسلام اور عیسائیت یہ تمام جب ظاہر ہوئے یا ان کی نشر واشاعت کی کوشش کی گئی تو مقامی آبادی نے کسی مرحلے میں اس کی مخالفت نہیں کی۔ حملہ آور کی مزاحمت کو مذہب کی مخالفت سمجھنا بڑی غلطی ہوگی۔

ہندوستانی مسلمان سماجی حیثیت سے اگر کمزور ہوا ہے یا برادران وطن ہندووں اور سکھوں کے دلوں میں اس کے لیے نفرت پیدا ہوئی ہے تو اس کی بنیادی وجہ مذہب نہیں بلکہ مسلمانوں کا طرز زندگی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو خودساختہ دائرے میں محصور کر کے اپنوں کے درمیان اجنبی بن گیا۔ اس نے اپنی زبان، لباس اور کھان پان الگ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے پڑوسی کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہونا بھی گناہ باور کر لیا۔ مسلمان بہ حیثیت مجموعی انہیں باریکیوں کو اجتماعی حیثیت میں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جبکہ انفرادی طور پر اسے برتنے کو دانشمندی تصور کرتے ہیں۔ کیا یہ

درست نہیں ہے کہ ایک مسلمان اپنی ملازمت میں ترقی کرنے کے لیے، اپنے بیٹے کو ملازمت دلانے کے لیے یا کسی قیدی کی رہائی کے لیے متعلقہ غیر مسلم افسران کی خوشامدی کی ساری حدیں پار کر جاتا ہے اور اسے ہوشمندی خیال کرتا ہے اور اجتماعی معاملات ومسائل میں مذکورہ دانشمندی کو پس پشت ڈال کر محاذ آرائی سے معاملہ حل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ناکام ہوتا ہے۔ شادیوں میں ایک دوسرے کو رنگ سے نہلا دینے میں اسے شرعی قباحت محسوس نہیں ہوتی لیکن پتہ نہیں کس نے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ ہولی کا رنگ جسم کے جس حصہ پر پڑے گا اسے جہنم میں جلایا جائے گا۔ نتیجہ یہ کہ رنگ کے بدلے خون بہانے سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی غیرت کا یہ عالم ہے کہ اس کے گاؤں یا محلے سے ہوکر درگا پوجا یا رام نومی کا جلوس گزرے تو بخار دماغ پر چڑھ جاتا ہے جبکہ ربیع الاول اور محرم کے جلوس کو لے کر دوسروں کے محلوں سے گزرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اذان کے وقت کوئی لاؤڈ اسپیکر بجائے تو مذہبی فریضے میں خلل ڈالنے کا الزام لگا کر مارنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن خود مغرب سے فجر تک زرخرید مقررین سے دھواں دھار تقریریں کروانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا خواہ کسی کی نیند میں خلل ہو یا مریض کی اذیت میں اضافہ۔

کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہم جس علاقہ میں رہتے ہیں وہاں کی زبان اور لہجہ نہیں جانتے۔ اردو بولنے اور سمجھنے کو مسلمان ہونے کی علامت سمجھتے ہیں. ودیا پتی اور نامدھاری سنگھ دنکر جیسے ادیب اور شاعر ہمارے لیے [illegible] ہوئے، جن میں گوبند سنگھ کی کرم بھومی پٹنہ سے پنجاب تک، مہاویر کی ویشالی سے جے پور تک اور گوتم بدھ گیا سے کشی نگر، یوپی تک اور اشوک کی کوششوں کے نتیجہ میں بالآخر چین سے لے کر جاپان تک یہ تینوں بالترتیب سکھ، جین اور بدھ مذھب کے پیشوا اور بانی ہیں. لیکن ہم نے ان کے بارے میں کبھی کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی. بکرمادت، چندر گپت موریہ، چانکیہ اور اشوک بھی اسی بہار یا وسیع معنوں میں شمالی ہند کی تاریخ کا حصہ ہیں لیکن ہماری بلا سے، ہم ان کے بارے میں کیوں پڑھیں۔ ہم اپنے علاقائی لہجے نہیں جانتے اور ہمارے مدرسے ہمیں قومی زبان ہندی نہیں پڑھاتے گویا ہندی وسنسکرت زبانیں بھی غیر شعوری طور ہمارے نزدیک کافر ومشرک ہیں۔ اس کے باوجود بالکل اسی طرح جیسے امریکہ سے نفرت بھی کرتے ہیں اور تعلیم وعلاج اور روزگار کے لیے وہاں جانا باعث فخر بھی سمجھتے ہیں کہیں سے کوئی دو چار اشلوک یاد کر کے جلسوں میں ٹرٹر کرنا سیکھ لیتا ہے تو ہم اسے چتر ویدی کہنے اور لکھنے لگتے ہیں اور وہ بھی پھولے نہیں سماتا۔ جس زمین کی تاریخ سے ہم نابلد ہیں، جس کی زبان ہم نہیں جانتے، جہاں کے لوگوں سے ہمارے سماجی روابط ضرورت کی حد تک محدود ہیں بھلا ہم کیوں کر اپنی بات ان کو سمجھا سکتے ہیں یا ان کی بات سمجھ سکتے ہیں. جبکہ الٰہی سنت کے مطابق ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حاملین قرآن ہونے کے ناطے ہم ہندی اور سنسکرت میں مہارت حاصل کرنا دینی فریضہ خیال کرتے تاکہ سماجی قربتیں پیدا ہوں اور دعوت وتبلیغ کی راہ آسان ہو جائے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: ''**ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه**'' ہم نے ہر قوم کے پاس اس کا ہم زبان پیغمبر ہی بھیجا، مسلمان ہونے کے ناطے کیا ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہم جس قوم کے درمیان ہیں اس کو اسی کی زبان میں خدا کا آخری پیغام پہنچائیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جس معاشرہ کا حصہ ہیں اس میں اس عنصر کا غلبہ ہے جس کے درمیان آقا صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے فیصلے کیے، امانتیں رکھیں پھر صادق وامین بھی کہلائے اور جھٹلائے بھی گئے. خود اپنی ذات میں ہر طرح ستائے گئے. راستے میں گڈھے کھودے گئے، کانٹے بچھائے گئے، مبارک جسم پر کوڑے ڈالے گئے، پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی گئی، گردن میں رسی کو بل دیا گیا یہاں تک کہ آنکھیں باہر آنے لگیں، سر پر کمان سے حملہ کر کے زخمی کیا گیا، پتھر مار کر لہولہان کیا گیا، پورے خاندان کا ڈھائی سال تک بائی کاٹ کیا گیا، بلال پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، خبیب و یاسر

اوران کی اہلیہ سمیہ کو بے دردی سے قتل کیا گیا ان تمام مصائب وآلام کی جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی صعوبتوں سے گزرنے کے باوجود کبھی بھی آپ نے نہ تو خود بدلہ لینے کا سوچا نہ اپنے اصحاب کو بدلہ لینے کی ترغیب دی یہاں تک کہ بددعا تک نہ کی بلکہ فرمایا: **اللھم اھد قومی فإنھم لا یعلمون** - اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیوں کہ بے شک وہ نادان لوگ ہیں۔ خیال رہے کہ ان تمام مصائب آلام کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے باشندوں کو اپنی قوم ہی شمار کیا جیسا کہ مذکورہ بالا دعا سے آشکار ہے۔ اور جب معاملہ حد سے گزرنے لگا تو ہجرت کا حکم دیا اور خود آپ بھی ہجرت کر گئے۔ ایسے عظیم الشان نبی کی امت دوسروں کی سماجی حق تلفی کرے، اپنے اعمال سے پڑوسیوں کے آرام میں خلل ڈالے، رنگ ڈالنے کا انتقام خون بہا کر لینا دینی فریضہ سمجھے، اپنے اردگرد دائرہ کھینچ لے، کسی کی خوشی یا غم میں شریک نہ ہو تو اسے بہتر سماجی حیثیت کی امید بھی نہیں رکھنی چاہیے اور اسے اپنی مذہبی نسبت کو الزام نہیں دینا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے ہمارے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جارہا ہے، بلکہ اپنے اخلاق اور کارستانیوں پر از سرنو غور کرنا چاہیے۔ کانٹے کی فصل اگا کر پھول سے دامن بھرنے کی آرزو کبھی پوری نہیں کی جاسکتی۔

رہی بات ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کی تو اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں 1857 سے اب تک کی صورت حال پر ایک نظر ڈالنی ہوگی.

1857 کی پہلی جنگ آزادی بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں لڑی گئی اس لیے باوجود اس کے کہ اس جنگ میں ہندو، مسلم اور سکھ سب شانہ بہ شانہ تھے؛ انگریز حکومت کی نگاہ غیض وغضب خاص کر مسلمانوں پر مرکوز ہوگئی اور مسلمانوں پر ظلم وستم کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سرسید نے مسلمانوں کے تئیں حکومت کے جارحانہ رویہ کو ختم کرنے کے لاکھوں جتن کیے۔ مسلمانوں کو اجتماعی طور پر بے قصور ثابت کرنے اور جنگ (غدر) کو فوجیوں کی محدود تعداد کی کارستانی ثابت کرنے کے لیے دلائل وشواہد اکٹھا کرنے میں شب وروز ایک کر دیا نتیجہ بار آور ہوتا نظر آیا، دوسری طرف وہ مسلمانوں کی عصری تعلیم کے لیے بھی سعی پیہم میں مصروف تھے اور یہ خواب بھی حکومت کے تعاون کے بغیر تعبیر نہیں پا سکتا تھا، لہٰذا ضروری تھا کہ خاموشی کے ساتھ لٹے پٹے خانہ خراب مسلمانوں کو سہارا دے کر از سرنو کھڑا کیا جائے اور کوششیں بھی کی ہی جارہی تھیں کہ 1885 میں یعنی پہلی جنگ کے صرف 27 سال بعد ہندوستانی عوام کے سماجی فلاح وبہبود کے لیے کانگریس پارٹی قائم کی گئی۔ مذکورہ بالا حالات میں مسلمان معاشی اور تعلیمی اعتبار سے اس قابل تھے ہی نہیں کہ وہ کانگریس میں برادران وطن کے برابر اپنا حصہ ڈال سکیں۔ ساتھ ہی انگریز حکومت کے عتاب کا خوف مستزاد تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی برسوں میں کانگریس میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام ہی رہی۔ اس میں شک کی قطعی کوئی گنجائش نہیں کہ جیسے جیسے کانگریس سماجی فلاح وبہبود کے منشور سے سیاسی امور کی طرف بڑھتی گئی اس میں مسلمانوں کی نمائندگی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ کانگریس نے ملک کی آزادی کا مطالبہ کر دیا۔ آزادی کی جدوجہد میں مسلمان ہرگز ہندو سے پیچھے نہ تھے. دونوں کے جذبات اور قربانیاں کہیں کسی سے کم نہ تھیں۔ بات تب بگڑی جب دونوں کے درمیان ایک دوسرے سے خوف کے وسوسوں نے جنم لیا۔ ہندو اس اندیشے میں مبتلا ہو گئے کہ آزادی کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان حاوی ہو جائے، نیز ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا اور ہنوز موجود ہے، اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوگیا ہے، جو ہندوستان پر مسلمانوں کے دورحکومت کو بھی غلامی کا عرصہ قرار دیتا ہے اس طبقہ نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کو مزید پھیلایا۔ تاہم سیاسی بساط پر آزادی کے وقت اس طبقہ کی آواز کمزور تھی ورنہ ہندوستان کو جمہوری سیکولر اور سماجوادی آئین نہیں مل پاتا۔

دوسری طرف مسلمان بھی کچھ کم اندیشوں کا شکار نہ تھے، سوچنے کی بات ہے کہ مسلمان کم وبیش آٹھ سو سال حکومت کرتے رہے تو انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ ایک قوم ہیں اور ہندو دوسری قوم، بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں 1857 کی جنگ آزادی لڑی تو بھی ہندوؤں کو دوسری قوم نہیں سمجھا لیکن جب برابری کی بنیاد پر

جمہوری حکومت کی بات آئی تو مسلمانوں نے دوقومی نظریہ ایجاد کرلیا جوسراسر بے جا خوف کا نتیجہ تھا۔ ہندووں کے بے بنیاد اندیشوں اور مسلمانوں کے بیجا خوف نے دوقومی نظریہ کو رفتہ رفتہ مضبوط تر کردیا۔

قیادت درحقیقت وہ ہوتی ہے قوم کو خواب دیتی ہے اور خواب کی تعبیر بھی. صاحب بصیرت قیادت وہ ہوتی ہے جو قوم کے منتشر شیرازے کو مجتمع کرتی ہے اور حسب ضرورت دیگر پڑوسی اقوام سے تعاون کے معاہدے کر کے اپنی قوم کو مضبوط اور سرحدوں کو محفوظ کرتی ہے جیسا کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیم کے میثاق مدینہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی قیادت اس کے برعکس کرتی ہے تو اسے قیادت عظمی کے لقب سے سرفراز نہیں کیا جانا چاہیے۔ ہندوستان کی مسلم قیادت نے آزادی کے وقت مسلمانوں کو یکجا اور متحد کر کے نیز برادران وطن کے ساتھ دانشمندانہ معاہدہ کر کے اگر متحدہ ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہوتا تو آج برصغیر کا جغرافیہ ہی دوسرا نہیں' بلکہ تاریخ بھی الگ ہوتی۔ بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا۔ قیادت عوامی جذبات کے تابع ہوکر درست فیصلہ نہیں لے سکی اور مسلمان مجتمع ہونے کی بجائے منتشر ہوگئے۔ ابتدا میں دو حصوں (ہندوستان پاکستان) میں اور پھر تیسرے حصہ (بنگلہ دیش) میں تقسیم ہوکر قوت کھو بیٹھے۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو شکایت ہے کہ ان کو آئین کے مطابق برابری کا درجہ نہیں دیا جارہا ہے۔ ملازمت میں سوتیلا پن برتا جاتا ہے۔ سیاست میں تعداد کے حساب سے مناسب نمائندگی نہیں مل رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو میرے پیارے پیارے میٹھے میٹھے مسلمان بھائیو! بات یہ ہے کہ آپ کی شکایت صد فیصد درست ہے لیکن اس کا علاج شکایت نہیں محنت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہندوستان صرف دو سو سال انگریزوں کا غلام رہا لیکن آپ کے برادران وطن تو اپنے آپ کو ایک ہزار سالہ غلامی کے بعد آزاد محسوس کررہے ہیں۔ وہ تو آپ کو بھی غیر ملکی حملہ آوروں کی اولاد ہی مانتے ہیں۔ وہ کب یہ گوارا کریں گے کہ آپ ترقی کر کے پھر ان کے مقابل کھڑے ہوجائیں۔ لہٰذا آپ قانون وآئین میں موجود اپنے حقوق کو ضرور یاد رکھیں لیکن زمینی صورت حال سے کبھی غافل نہ ہوں اور برادران وطن کے مقابلے کم از کم دوگنی محنت کی عادت ڈالیں۔

آخری بات اور جو غالبا سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ملک کے سیاسی، سماجی یا معاشی معاملات میں سوتیلے پن کے برتاؤ کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنا چھوڑ دیں۔ اسے انسانی مسئلہ سمجھیں۔ ہر اکثریت اقلیت کو دباتی ہے، ہر طاقتور کمزور کو زیر کر کے ہی رکھنا چاہتا ہے اس میں مذہب کا نہیں انسانی جبلت کا دخل ہے۔ نیپال کے مدھیشیوں اور بنگلہ دیش کے ہندووں کو دیکھیں، پاکستان کے ہندو، سکھ، عیسائی اور قادیانیوں کا جائزہ لیں، ایران میں سنیوں اور اھوازی عرب کی کہانیاں سنیں، سعودی عرب اور بحرین کے شیعوں کی روداد پڑھیں، شام کے علوی حکمرانوں کے جبر واستبداد کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں، کویت کے بدون (Bedoon) کی داستان معلوم کریں، سب سے کم نصیب اور حالات کی ماری قوم کرد جو چار ملکوں عراق، ایران، ترکی اور شام کے درمیان منقسم ہے اس سے عبرت حاصل کریں ان سب کو دفع کریں اور دنیا میں سب سے زیادہ جمہوری کہے جانے والے امریکہ کو دیکھیں جہاں آئے دن ریڈ انڈین (کالے امریکی) گورے عوام اور پولیس کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں اور عدالتیں انصاف دلانے سے معذور ہیں۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب قابل ذکر ملک ہو جہاں قانون وانصاف کی حکمرانی ہو۔ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ انصاف نہیں ہونا چاہیے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے. دور کیوں جایئے خود ہندوستان میں دلتوں اور براہمنوں کا مذہب ایک ہے اس کے باوجود براہمنوں کے ہاتھوں دلتوں کا قتل روز مرہ کا معمول ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ حالات کا شکوہ کرنے کی بجائے طاقت حاصل کی جائے اور اس کا ایک ہی راستہ ہے محنت محنت اور صرف محنت۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

(ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی وسیاسی حالات پر مذکورہ تبصرے پر قارئین کی رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔ ادارہ)

یکساں سول کوڈ
(Common Civil Code)
سیکولر ملک کے آئین کے خلاف ہے

طارق انور مصباحی (کیرلا)

ملک میں رائج قوانین کی دو بڑی قسمیں ہیں۔(۱) فوجداری قوانین (کریمنل کوڈ) (۲) دیوانی قوانین (سول کوڈ)

فوجداری قوانین تمام شہریوں کے لیے یکساں ہیں اور سول کوڈ بھی قریباً یکساں ہیں۔ہاں، سول کوڈ کا ایک حصہ جو معاشرتی وثقافتی یا مذہبی امور سے تعلق رکھتا ہے، اس میں ہندوستانی اقوام ومذاہب کا لحاظ کیا گیا ہے۔یعنی ان کے مذہبی قوانین اور معاشرتی وثقافتی رسوم کی رعایت کی گئی ہے۔اسی حصہ کو ''پرسنل لا'' کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس بات کا لحاظ ہندوستان کے دستور وآئین میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اس لیے کورٹ میں بھی اس کی رعایت کی جاتی ہے۔اس اعتبار سے دستور ہند کی روشنی میں قوم مسلم کو نکاح، طلاق ، ایلا، ظہار، لعان، خلع، مبارات، فسخ نکاح ، عدت، نفقہ ، وراثت، وصیت ، ہبہ ، ولایت، رضاعت، حضانت اوروقف کے مسائل میں اپنے مذہب پرعمل کی آزادی حاصل ہے۔اگر کورٹ میں ان امور سے متعلق کیس دائر کیا جائے اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری کورٹ بھی ''مسلم لا'' کے اعتبار سے فیصلہ کرے گا۔پس انہی قسم کے مسائل کو ہندوستان کی اصطلاح میں ''مسلم پرسنل لا'' کہا جاتا ہے۔اردو میں ان مسائل کو ''عائلی قوانین'' کہا جاتا ہے۔

خدا وہ روز بد نہ لائے۔یعنی خدانخواستہ اگر کبھی یکساں سول کوڈ نافذ ہوجائے تو قوم مسلم کا تشخص ختم ہوجائے گا اور بہت سے مسائل میں شریعت کے خلاف عمل کرنا پڑے گا، مثلاً ''اسپیشل میریج ایکٹ''(Special Marriage Act 1954) کے تحت بین المذاہب شادیاں ہوسکتی ہیں اور اس ایکٹ کے تحت شادی کرنے والوں پر اسلامی قانون وراثت نافذ نہیں ہوگا ، بلکہ اس ایکٹ کا قانون وراثت لاگو ہوگا۔اسی طرح یکساں سول کوڈ نافذ ہوگا تولامحالہ منہ بولا بیٹا بھی وارث قرار پائے گا،لیکن ابھی قوم مسلم اس قانون سے مستثنیٰ ہے،لیکن دوسری اقوام کے لیے یہ قانون نافذ العمل ہے۔

اہل حکومت اور قانون دانوں سے سوال ہے کہ اگر بالجبر یکساں سول کوڈ نافذ کردیا جائے تو ملک ''سیکولر'' کیسے رہے گا؟ سیکولر ہونے کا مفہوم تو یہی ہے کہ ملک کا کوئی مذہب نہیں ہے، بلکہ ہر اہل مذہب کو اپنے مذہب پرعمل کی اجازت ہے۔ذرا سوچو! محض چند مسائل میں مسلمانوں کو اپنے مذہب پرعمل کی اجازت ہے، اسے بھی سلب کر کے مسلمانوں کا تشخص ختم کردینا سیکولرزم کے خلاف ہے یا نہیں؟ کیا عوام کے ذریعہ منتخب ہونے والی جمہوری حکومت کو اہل وطن کی رائے عامہ کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے؟ کیا جمہوری نظام اور سیکولر ملک (Secular Country) کو یہ حق حاصل ہے کہ باشندگان ملک کو ان کے مذہبی وملی ،تمدنی وثقافتی

امور سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرے؟ فوجداری اور دیوانی قوانین توسب کے لیے یکساں ہیں۔اب چند مستثنیٰ امور میں یکساں سول کوڈ کی تجویز سے قبل سیکولرزم (Secularism) کی قابل قبول تشریح کی جائے، تاکہ اہل وطن ،ایوان حکومت میں مسند نشینوں کا منشاومقصود سمجھ سکیں۔

سال ۱۹۲۸ء میں بھی شادی بیاہ اور دیگر ثقافتی امور کو یکساں سول کوڈ کے تحت کرنے کے لیے برٹش حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی گئی تھی۔اس وقت بھی ہندوستانی سماج نے اس کی سخت مخالفت کی اور برٹش گورنمنٹ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔محدود ذہن افراد، آج تک یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی بات کر رہے ہیں۔انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہندوستان ایک کثیر ثقافتی ملک ہے۔اسی طرح یہاں مختلف مذاہب کے پیروکار آباد ہیں۔یہاں ایک قسم کا ثقافتی نظام ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا۔قانون بنانا الگ چیز ہے اور قانون پر عمل کرنا اور عمل کروانا الگ چیز ہے۔کسی جمہوری اور عوامی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ بزور قوت اہل وطن کو ان کی مرضی ومفاد عامہ کے خلاف کسی ایک ثقافت وتمدن کا پابند بنانے کی کوشش کرے ،جبکہ اس میں راحت وعافیت کی بجائے مصیبت ہی مصیبت ہو،اور اہل وطن بھی اسے ناپسند کرتے ہوں۔

رہنما اصول (Directive Principles of State Policy) کس کے لیے ہیں؟

آرٹیکل 37 میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ دستور ہند کا چوتھا حصہ مرکز وریاست کی حکمراں جماعت اور پارلیامنٹ واسمبلی کے لیے ہے۔نظام حکومت کی قیادت کرنے والی جماعت کے لیے یہ رہنما اصول وضوابط ہیں۔عدلیہ (Judiciary) کے ذریعہ ان کا نفاذ نہیں ہوسکتا۔ان قوانین کو Directive Principles of State Policy لکھا گیا ہے۔دفعہ 36 سے دفعہ 51 تک 17 رہنما اصول مرقوم ہیں۔چوتھے حصہ (part IV) میں لکھے گئے رہنما اصول کے بارے میں آرٹیکل 37 درج ذیل ہے۔

37-The provisions contained in this part shall not be enforceable by any court, but the principles therein laid down are nevertheless fundamental in the governance of the country and it shall be the duty of the state to apply these principles in making laws..(The Constitution of India p.21)

اسٹیٹ (State) سے کیا مراد ہے؟

دستور ہند کے چوتھے حصہ کی دفعہ اول یعنی دفعہ 36 میں ’’اسٹیٹ‘‘ کی وضاحت کی گئی ہے۔دفعہ ۳۶/ درج ذیل ہے۔

36-In this part, unless the context otherwise requires, "the State" has the same meaning as in part III. (The Constitution of India p.21)

یعنی حصہ سوم میں اسٹیٹ کا جومعنیٰ ہے، وہی معنیٰ حصہ چہارم میں مراد لیا گیا ہے۔حصہ سوم کی دفعہ 12 میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔دفعہ ۱۲/ مندرجہ ذیل ہے۔

12-In this part, unless the context otherwise requires, "the State" includes the Government and Parliament of India and the Government and Legilature of each of the states and all local or other authorities within the territoryof India or under the control of the Government of India.(The Constitution of India p.6)

رہنما اصولوں کی درجہ بندی

تمام رہنما اصول (Principles of State Policy

Directive) یکساں نہیں ہیں۔بعض وہ ہیں جن کا نفاذ لازم ہے ،بعض وہ ہیں جن کے بارے میں حکومت کو بہت کوشش کرنی ہے۔بعض حالات وضرورت کے وقت قابل نفاذ ہیں،یعنی ان رہنما اصولوں کے مختلف درجات ہیں۔اس طرح یہ رہنما اصول نو درجہ بند زمروں (Categories in descending order) میں منقسم ہیں۔ہر دفعہ پر عملی ہدایت کے لیے استعمال کئے جانے والے الفاظ کی شدت(Intensity) یعنی طریقہ ہدایت کے ذریعہ ان میں سے ایک کی دوسرے پر ترجیح وفوقیت(Priority) ظاہر ہوتی ہے۔خیال رہے کہ ان رہنما اصولوں کا مکتوب الیہ(Addressee)اسٹیٹ(State) ہے ،عدلیہ نہیں۔اسٹیٹ کی ضروری تشریح ماقبل میں لکھ دی گئی ہے۔

رہنما اصول کا درجہ اول

درجہ اول میں آرٹیکل 47(i) آتا ہے،جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

47-The state shall regard....as among its primary duties....(The Constitution of India p.23)

یعنی حکمراں لوگ اپنی اولین ذمہ داری سمجھ کر ان مذکورہ امور کوانجام دیں۔

رہنما اصول کا درجہ دوم

درجہ دوم میں آرٹیکل 46 آتا ہے،جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

46-The state shall promote with special care(The Constitution of India p.23)

یعنی حکمراں لوگ اپنی خصوصی توجہ کے ساتھ ان مذکورہ امور کوانجام دیں۔

رہنما اصول کا درجہ سوم

درجہ سوم میں آرٹیکل 39 ہے،جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

39-The state shall in particular direct its policy towards securin ....(The Constitution of India p.21,22)

یعنی حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی پالیسی کی اس طرح تشکیل کریں۔

رہنما اصول کا درجہ چہارم

درجہ چہارم میں آرٹیکل 39A آتا ہے،جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

39A-The state shall secure ....(The Constitution of India p.22)

یعنی حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مذکورہ امور کوانجام دیں۔

رہنما اصول کا درجہ پنجم

درجہ پنجم میں آرٹیکل 49 آتا ہے،جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

49-It shall be the obligation of the State to protect .....(The Constitution of India p.24)

یعنی حکمرانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان مذکورہ امور کومحفوظ رکھیں۔

رہنما اصول کا درجہ ششم

درجہ ششم میں آرٹیکل 42 & 41 آتے ہیں،جن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

41-The state shall........make effective provision...(The Constitution of India p.22)

42-The state shall make provision ....(The Constitution of India p.22)

یعنی حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو مذکورہ امور کے حقوق دلائیں۔

رہنما اصول کا درجہ ہفتم

درجہ ہفتم میں چار آرٹیکل آتے ہیں ۔ 40,43A,48(ii) & 50 جن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

40, 43A, 48(ii) & 50-The state shall take steps ....(The Constitution of India p.22,23,24)

یعنی حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مذکورہ امور کا انتظام کریں۔

رہنما اصول کا درجہ ہشتم

درجہ ہشتم میں آرٹیکل 38(1) & 38(2)(i) آتے ہیں ،جن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

38(1) -The state shall strive ....(The Constitution of India p.21)

38(2)(i)-The state shall, in particular, strive ....(The Constitution of India p.21)

یعنی حکمراں لوگ خوب کوشش کریں کہ وہ ان مذکورہ امور کو انجام دیں۔

رہنما اصول کا درجہ نہم

درجہ نہم میں آٹھ آرٹیکل آتے ہیں 38(2)(ii),43,44,45,47(ii),48(i),48A,51- جن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

38(2)(ii),43,44,45,47(ii),48(i),48A,51-The state shall endeavour ....(The Constitution of India p.21,23,24)

یعنی حکمراں لوگ کوشش کریں کہ وہ ان مذکورہ امور کو انجام دیں۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ''یکساں سول کوڈ'' کا نفاذ آخری درجہ میں ہے۔حکومت کے مذکورہ بالا آٹھ فرائض پہلے انجام پذیر ہونے چاہییں۔ نیز ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی یعنی ڈاکٹر امبیڈکر اور دیگر اراکین نے انتہائی ہوشمندی کے ساتھ کئی سالوں میں دستور ہند بنایا تھا۔پھر جن عائلی امور میں ہر قوم کو ''پرسنل لا'' پر عمل کی اجازت دستور میں دی جا چکی تھی ،انہیں امور میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی سفارش کرنا یقیناً عطا کیا ہوا حق سلب کرنا اور چھیننا ہے، پھر وہ کون سے امور ہیں جن میں یکساں سول کوڈ کی بات دستور میں کہی گئی ہے؟سب سے پہلے اس پر گفتگو کی جائے، تا کہ حقیقت حال ظاہر ہو سکے۔

دفعہ 44 کیا ہے؟

آرٹیکل 44 / ہندوستانی دستور کے چوتھے حصہ میں لکھا گیا ہے۔دستور ہند کا چوتھا حصہ مرکز وریاست میں حکمراں طبقہ اور پارلیامنٹ واسمبلی کے ذریعہ ہی نافذ العمل ہے۔کورٹ کے ذریعہ ان امور کا نفاذ نہیں ہوسکتا۔دفعہ ۴۴/ مندرجہ ذیل ہے۔

44-The state shall endeavour to secure for the citizens a uniform civil code throughout the territory of India.(The Constitution of India p.23)

دفعہ ۴۴/ کو نافذ کرنا ضروری ہدایات میں سے نہیں ہے۔یہ قانون صرف اس امکان کے پیش نظر تحریر کیا گیا تھا کہ شاید یکساں سول کوڈ سے اہل وطن کو بھلائی میسر آئے اور تمدن وثقافت کی یکسانیت سے ملک میں امن ووحدت کا رنگ پیدا ہو۔لیکن ملکی حالات کو دیکھتے ہوئے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے نفاذ سے ملکی عوام وخواص مزید مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔کیونکہ ملک ہند ایک وسیع وعریض خطے پر مشتمل کثیر المذاہب ، کثیر القبائل اور کثیر اللسان ملک ہے اور ہر ایک مذہب وقبیلہ اور قوم و علاقہ کی تہذیب وثقافت ایک دوسرے سے جدا ہے۔ایسے ملک میں امن واتحاد کی یہی ایک شکل ہے کہ ہر کوئی ،دوسروں کی تہذیب وثقافت پر انگشت نمائی نہ کرے۔پس ایسی صورت میں اس دفعہ کا حوالہ دے کر یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کی کوشش خود اس دفعہ کی مخالفت کرنی ہے۔ ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے صدر ڈاکٹر بھیم راؤ

امبیڈکر نے دفعہ 44 کی تشریح کرتے ہوئے پارلیامنٹ میں بیان دیا تھا کہ یکساں سول کوڈ بالجبر نافذ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اہل وطن کی رائے سے ہی نافذ کیا جاسکتا ہے۔آج کل لوگ صرف دفعہ ۴۴/ کا حوالہ پیش کرتے ہیں،لیکن ڈاکٹر امبیڈکر کی تشریح کا ذکر نہیں کرتے ۔بھلائی اسی میں ہے کہ دفعہ ۴۴/ کو دستور ہند سے خارج کردیا جائے،ورنہ اس آرٹیکل کے سبب ہندوستان میں آئے دن اختلافات ہوتے رہیں گے۔

دستور ہند کا چوتھا حصہ حکمراں جماعت اور پارلیامنٹ واسمبلی کے لیے مخصوص ہے۔عدلیہ (Judiciary) کو اس میں دخل اندازی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔عدلیہ اس تعلق سے جو ترغیبات وتجاویز پیش کرتی ہے ، یہ خود ہندوستانی آئین کے خلاف ہے۔

ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ ناممکن

(۱) دستور ہند کے رہنما اصول کے اعتبار سے مرکزی حکومت یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے محض ترغیب کرسکتی ہے،مرکزی حکومت بزور قوت اپنا فیصلہ تسلیم کروانے کا اختیار نہیں رکھتی۔دستور ہند کے ساتویں شیڈول میں ان امور کی فہرست تحریر کی گئی ہے،جن سے متعلق ریاستی اسمبلی کو قانون سازی کا اختیار ہے۔اس فہرست میں شادی،طلاق ،وراثت ،وصیت ،جانشینی،تقسیم جائیداد،شیرخوار اور نابالغ اولاد کی کفالت وغیرہا امور شامل ہیں۔یعنی ان امور کے بارے میں ریاستی اسمبلی بھی ملکی پارلیامنٹ کی طرح قانون سازی کرسکتی ہے یا پارلیامنٹ کے قانون میں ترمیم وتبدیلی اور حذف واضافہ کرسکتی ہے۔ایسی صورت میں محض ملکی پارلیامنٹ میں یکساں سول کوڈ پاس ہوجانے سے وہ ملک کی تمام ریاستوں میں قابل نفاذ اور قابل عمل قرار نہیں پاسکتا،جب تک کہ ریاستی اسمبلیاں اسے قبول نہ کرلیں۔

ساتویں شیڈول کی فہرست سوم یعنی پارلیامنٹ اور اسمبلی کے مابین مشترکہ فہرست (Concurrent List) کے پانچویں سیکشن میں مرقوم ہے۔

5-Marriage and divorce, infants and minors, adoption, wills,intestacy and succession, joint faimily and partition, all matters in respect of which parties in judicial proceeding were immediately before the commencement of this constitution subject to their personal law.

(The Constitution of India p.332)

(۲) ہندوستانی پارلیامنٹ نے چند ایسے قوانین کو پاس کیا ہے،جن کے اعتبار سے دستوری طور پر ملک میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ ناممکن ہوچکا ہے۔بلکہ پورے ملک میں فوجداری قانون بھی یکساں نہیں ہیں۔اب دفعہ ۴۴/ کو دستور میں برقرار رکھنا بھی قابل اعتراض قرار پائے گا۔لہٰذا سب سے پہلے دفعہ ۴۴/ کی دستوری حیثیت پر پارلیامنٹ میں بحث کی جائے۔

(الف) سال ۱۹۶۰ء میں ناگالینڈ کی ناگا قوم نے ملک سے علیحدگی اختیار کرنے کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔حکومت ہند نے فوجی طاقت استعمال کیا،لیکن یہ فتنہ ختم نہ ہوسکا۔آخرکار ناگا قوم سے مصالحت کے لیے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ناگاؤں نے مصالحت کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ ان کے مذہبی امور ،سماجی طور طریقوں اور رواجی قانون کے مطابق عدالتی نظام قائم کرنے کی مضبوط ضمانت دی جائے،تب وہ ہتھیار ڈالیں گے۔مرکزی حکومت نے ناگا قوم کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سال ۱۹۶۲ء میں دستور ہند میں ترمیم کیا اور ناگاؤں سے معاہدہ کے مطابق دستور ہند کے اکیسویں حصہ (part XXI) میں آرٹیکل 371/A کا اضافہ کیا اور دستور میں لکھا گیا۔

(۱) ناگاؤں کے مذہبی اور سماجی رسوم (۲) ناگا رواجی قانون اور ضابطے (۳) ناگا رواجی قانون کے مطابق سول اور فوجداری

مقدمات کے فیصلوں کا نظام قائم ہوگا۔ پارلیامنٹ کے کسی قانون کا اطلاق ناگالینڈ کی ریاست پر نہیں ہوگا۔ آرٹیکل ۳۷۱/اے درج ذیل ہے۔

371A.(1)Notwithstanding anything in this constitution, (a)no act of parliament in respect of-(i)religious or social practices of the Nagas,(ii)Naga customary law and procedure,

(iii)administration of civil and criminal justice involving decisions according to Naga customary law,(iv)ownership and transfer of land and its resources, shall apply to the state of Nagalang unless the legislative assembly of Nagaland by a resolution so decides.(The Constitution of India p.251)

ملک کی علاقائی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے مرکزی حکومت نے ناگاؤں کا مطالبہ تسلیم کرلیا اور یکساں قانون فوجداری مقدمات میں بھی نافذ نہ ہوسکا، بلکہ مذہبی وسماجی رسوم اور تہذیبی وثقافتی امور کو قانونی شکل دینا پڑا۔

(ب) ناگالینڈ کے بعد میزورام والوں نے ہندوستان کے خلاف ہتھیار اٹھالیا۔ یہ تصادم سالوں تک جاری رہا۔ حکومت نے میزؤں کی بغاوت کو فوجی قوت سے کچلنے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ملی۔ کئی بار کی ناکامیوں کے بعد میزؤں سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ میزو قوم نے ہتھیار ڈالنے، مسلح بغاوت ختم کرنے، ہندوستان کا حصہ بننے اور ہندوستانی قومیت اختیار کرنے کے لیے چند شرائط پیش کی۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میزو قوم کی علیحدہ شناخت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ ان کے مذہبی، سماجی اور رواجی قوانین کو تسلیم کیا جائے اور ان مذہبی، رواجی وسماجی رسوم وقوانین کے مطابق عدالتی فیصلے ہوں۔ کئی دور میں بات چیت کے بعد حکومت ہند نے اس شرط کو قبول کرلیا اور میزو قوم سے معاہدہ کے مطابق ۳۰/ جون ۱۹۸۶ء کو دستور ہند کے اکیسویں حصہ (part XXI) میں آرٹیکل 371/G کا اضافہ کیا گیا۔ اس کے ذریعہ میزو قوم کو یہ ضمانت دی گئی کہ میزؤں کے مذہبی وسماجی رسوم اور رواجی قوانین وضوابط کے مطابق ان کے فیصلے ہوں گے۔ پارلیامنٹ کے کسی قانون کا اطلاق میزورام کی ریاست پر نہیں ہوگا۔ آرٹیکل ۳۷۱/ جی مندرجہ ذیل ہے۔

371G.(1)Notwithstanding anything in this constitution,(a)no act of parliament in respect of-(i)religious or social practices of the Mizos,(ii)Mizo customary law and procedure,

(iii)administration of civil and criminal justice involving decisions according to Mizo customary law,(iv)ownership and transfer of land and its resources, shall apply to the state of Mizoram unless the legislative assembly of Mizoram by a resolution so decides.(The Constitution of India p.265)

جب ملکی دستور وآئین میں لکھ دیا گیا کہ ناگالینڈ اور میزورام کی ریاستوں پر پارلیامنٹ کے کسی قانون کا اطلاق نہیں ہوگا تو اب پورے ملک میں یکساں سول کوڈ یا یکساں کریمنل کوڈ کا نفاذ دستوری وقانونی طور پر ناممکن ہوگیا۔ اب اس کے لیے سر پھوڑنے سے کیا فائدہ؟ کیا اب بھی دفعہ 44 / کے لیے دستور ہند میں گنجائش باقی ہے؟

خضر راہ

عید میلا د النبی
منانے کا مروجہ طریقہ کتنا مفید کتنا مضر

تحریر: مولانا کمال احمد علیمی دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی

گزشتہ شمارے میں میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں کے بارے میں کچھ سوالات کے ذریعہ چند مفکرین سے رائے طلب کی گئی تھی، جن میں حضرت مولانا کمال احمد علیمی صاحب کی درج ذیل تحریر شائع ہونے سے رہ گئی تھی، لہٰذا ہم اسے اس شمارے میں شائع کررہے ہیں۔ (ادارہ)

ماہ ربیع النور شریف کی آمد پر عید میلا د النبی منانا بلا شبہہ امر مستحب اور فعل حسن ہے، بلکہ نفس میلا د کے استحسان و استحباب پر کتاب وسنت، عمل صحابہ اور روش اسلاف شاہد ہے، لا ریب ولادت رسول علیہ السلام عالم رنگ و بو کے لئے سب سے عظیم نعمت ہے، اور نعمت پر تحدیث نعمت قرآن سے ثابت ہے، خود سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جانثاران مصطفیٰ سے میلا د منانا ثابت ہے، اور اس قدر میں شاید ہی کسی کا اختلاف ہو، اختلاف در حقیقت میلا د النبی کے مروجہ طریقے میں ہے، اس لئے ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ میلا د منانے کے مروجہ طریقوں کی شرعی حیثیت کیا ہے، کتاب وسنت سے یہ امر روشن ہے کہ میلا د النبی کے موقعہ پر جلسہ کرنا، جلوس نکالنا نہ صرف یہ کہ ہمارے اسلاف کا طور و طریقہ رہا ہے بلکہ اس کے جواز و استحباب میں کسی خوش عقیدہ مسلمان کا اختلاف بھی نہیں رہا ہے، ایک عاشق رسول تو بس یہ مزاج رکھتا ہے کہ ہر ناجائز و بے جا طریقے سے اجتناب کرتے ہوئے جس انداز میں آمد رسول علیہ السلام پر اظہار مسرت کیا جائے جائز و مستحسن اور کار ثواب ہے۔

سوالنامے میں مذکور غیر شرعی امور بلا شبہہ قابل مواخذہ ہیں، ان کا ارتکاب کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں، لیکن ان خرافات کی وجہ سے نفس میلا د کو غیر مشروع قرار دینا صحیح نہیں ہے، ہاں ان غیر شرعی رسوم و بدعات پر قدغن لگا کر محافل میلا د اور جلوس وغیرہ کو مفید سے مفید تر بنانا چاہئے۔

ذیل میں سوالنامے میں مذکور سوالات کے جوابات حاضر خدمت ہیں۔

۱......عید میلا د النبی منانے کا مروجہ طریقہ اگر شرعی حدود میں ہے اور اس سے قوم مسلم کو سعادت دارین حاصل ہوتی ہے تو مروجہ طریقے میں کوئی خرابی نہیں ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں اس بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال یہ ہے کہ عید میلا د النبی کا مروجہ طریقہ کس قدر مفید اور کتنا مضر ہے، تو اس بارے میں سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ نفس میلا د کل کا کل خیر ہے، اس میں مضرات اور زیاں کا تصور ہی غلط ہے، ہاں مروجہ طریقۂ میلا د کچھ جہتوں سے مفید ہے، اور اس کے کچھ پہلو مضر ہیں، افادی پہلو یہ ہیں کہ محافل میلا د سے مسلمانوں کے اندر اجتماعیت، اتحاد اور یکجہتی کا جذبہ عام ہوتا ہے، ان کے دینی معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا ہے،

سیرت رسول سے آشنائی حاصل ہوتی ہے، صحابہ کے اخلاق واطوار کی جانکاری ہوتی ہے، رسول کریم علیہ السلام کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات کا علم ہوتا ہے، آقائے کریم علیہ السلام کی عظمت وشوکت دل میں بیٹھتی ہے، جس کے سبب سے دل میں عشق رسول کی لو تیز ہوتی ہے، اتباع رسول اور تقلید صحابہ کا جذبہ فزوں تر ہوتا ہے، زندگی کے ہر موڑ پر شریعت کی پاسداری کا شعور پروان چڑھتا ہے، جلوس کے ذریعہ غیر قوموں کے سامنے اسلامی عظمت وشوکت کا اظہار ہوتا ہے، محافل میلاد کے ذریعہ اخروی سعادتوں کے حصول کے ساتھ بہت سارے دنیوی مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں، معاشرہ کی تطہیر اور غافل دلوں کا تزکیہ ہوتا ہے، مسلمانوں کو درود وسلام اور تسبیح وتہلیل کے لئے خوشگوار ماحول فراہم ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اب مروجہ محافل میلاد کے کچھ مضر پہلو پیش ہیں، آج کل عموماً عید میلاد النبی کے چھوٹے چھوٹے پروگرام بھی رات کے بارہ ایک بجے تک چلتے ہیں، بڑے جلسے عموماً صبح صادق تک چلتے ہیں، ان طویل مدتی محفلوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہیں کہ ان میں شریک ہونے والے حضرات عموماً نماز فجر چھوڑ بیٹھتے ہیں، علاوہ ازیں ان جلسوں میں وہ لوگ شریک نہیں ہو پاتے ہیں جو ملازمت پیشہ یا محنت ومزدوری کرتے ہیں، اور جنھیں صبح میں اٹھ کر اپنی ڈیوٹی پر جانا ہوتا ہے، یوں ہی پڑھے لکھے لوگ بھی ان محفلوں میں شرکت سے کتراتے ہیں، کیوں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ جو ان محفلوں کا مقرر خصوصی ہوتا ہے اور جس کے علم سے یہ کچھ استفادہ کر سکتے ہیں اسے اخیر شب کا دولہا بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور وہ نیند میں غرق عوام کو دیکھ کر اپنے علمی فیوض وکمالات کا کھل کر اظہار نہیں کر پاتا ہے۔

ان مضرتوں کے علاوہ ایک اور مضر پہلو قابل دید ہے، عام طور سے ان محفلوں میں مرد وزن کا اختلاط ان محافل کے روحانی تقدس کو پامال کر دیتا ہے، اور لوگ جلسہ سننے نہیں بلکہ دیکھنے جایا کرتے ہیں، آج تک میری سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ پردہ کی رعایت کے ساتھ عورتوں کا خانۂ خدا اور مزارات اولیا پر جانا ناجائز وحرام ہے تو پھر بغیر پردے کے ان محفلوں میں شرکت جائز کیسے ہوگی؟

یوں ہی ان محفلوں کی تزئین وآرائش پر ضرورت سے زیادہ بے تحاشہ پیسے کا خرچ بھی قابل غور ہے، واضح رہے کہ: ''لا اسراف فی الخیر'' کا میں بھی قائل ہوں، مگر امت محمدیہ کی دیگر ضروریات کا لحاظ بھی بہت ضروری ہے۔

اسی کے ساتھ ان محفلوں میں پیشہ ور نعت خوانوں اور مقررین کو مدعو کرنا بھی قابل غور ہے، کیوں کہ ان کے کلام اور تقریر میں اثر کا عنصر عنقا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں روپئے صرف کر کے بھی ہم ایک نمازی نہیں بنا پاتے ہیں۔

بہر حال ان نقصانات اور مضر پہلوؤں کا رونا رونے کے بجائے ہمیں جلسوں کو مفید بنانے کے بارے میں سوچنا چاہئے، اس تعلق سے چند باتیں عرض ہیں، سب سے پہلے تو یہ کہ ان جلسوں کا وقت (ٹائم فارمیٹ) مختصر کیا جائے، دو سے ڈھائی گھنٹے بہت رہیں گے، ان جلسوں میں نیک اور مخلص علما کو دعوت دے کر کسی خاص موضوع پر تقریر کروائی جائے، عید میلاد النبی کے موقع پر اس سے متعلق مخصوص موضوع پر تقریریں بہت مفید ثابت ہوں گی، عورتوں کی شرکت پر پابندی عائد کی جائے، اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ پروگرام کو دو نشستوں میں کر دیا جائے، ایک میں صرف مرد، دوسرے میں صرف عورتیں شریک ہوں، اور عورتوں کو قابل عالمات وفاضلات کی تقریروں سے فیضیاب کیا جائے، مخصوص مہمان خطیب یا شاعر کو اس وقت پیش کیا جائے جب عوام بیدار اور ہمہ تن گوش ہو، محافل میلاد کا انعقاد مساجد میں کیا جائے تاکہ لوگ کامل طہارت اور رب کے خوف وخشیت کے ساتھ شریک محفل ہوں، اور لائٹنگ وغیرہ کا خرچ بھی حسب ضرورت ہو، سماج کے پڑھے لکھے لوگوں کو باضابطہ دعوت دے کر شریک بزم کیا جائے۔

۲...... اتباع رسول مومن کا مقصد حیات ہے، اور اس میں دارین کی سعادت وفلاح مضمر ہے، عصر حاضر میں اتباع رسول

سے دوری ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر محاذ پر ناکام اور ہر میدان میں فیل نظر آتے ہیں، امت مسلمہ کو اتباع رسول کا خوگر بنانے کے بہت سارے ذرائع اور مواقع ہیں، لیکن عید میلا د النبی کے موقع پر ان کے اندر اتباع رسول کا جذبہ جگانا بڑا آسان ہوگا، کیوں کہ اس موسم بہار میں ان کے اندر عشق رسول کی محسوس فراوانی پائی جاتی ہے اور ان کے دلوں میں محبت رسول موجزن ہوتی ہے، ایسے وقت میں انہیں دعوت اتباع دینا بہت آسان اور سودمند ثابت ہوگا، ذیل میں اس کے حوالے سے کچھ تجاویز حاضر ہیں۔

☆ گزشتہ سطور میں ہم نے عرض کیا کہ محافل میلا د میں سیرت نبوی کے کسی خاص گوشے پر مخصوص بیانات پیش کئے جائیں، محرم الحرام کی طرح عید میلا د النبی کے موقع پر دس یا بارہ دنی پروگرام کیا جائے، اور روزانہ سیرت نبویہ کے الگ الگ پہلوؤں پر سلسلہ وار تقریر کرائی جائے، ان شاء اللہ اس کے ذریعہ لوگوں کو سیرت رسول کا علم ہوگا، اور علم ہی عمل کا پہلا زینہ ہے۔

☆ اس موقع پر سیرت رسول کی معنویت اور افادیت اور اس کے اچھوتے گوشوں کو ضبط تحریر کرا کے کتابچے اور پمفلٹ شائع کرائے جائیں اور ان کو مفت تقسیم کیا جائے، اس کام کے لئے اشتہارات کا بھی سہارا لیا جا سکتا ہے۔

☆ سیرت رسول کے موضوع پر پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان مسابقے کرائے جائیں، اور کامیاب لوگوں کی انعامات یا توصیفی سند کے ذریعہ حوصلہ افزائی کی جائے۔

☆ آڈیو کی شکل میں سیرت رسول سے متعلق کیسٹ اور سیڈیاں بانٹی جائیں تاکہ لوگ اپنے طور پر ان سے استفادہ کر سکیں۔

☆ عوام وخواص کے دلوں میں یہ تصور پختہ کیا جائے کہ سیرت رسول کی اتباع میں فلاح دارین ہے، اور سیرت رسول کی اتباع ہر عصر ومصر میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

☆ صنف نسواں میں مخصوص بیانات اور تربیتی ورکشاپ کے ذریعہ اتباع رسول کا جذبہ بیدار کیا جائے۔

۳...... بلاشبہہ عید میلا د النبی منانا اور اس کے انتظام وانصرام میں حصہ لینا کارخیر اور ذریعہ نجات ہے، لیکن اسی کو کل دین سمجھ لینا جہالت ہے، ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا ہمارے اسلاف نے صرف عید میلا د النبی ہی منائی ہے یا فرائض وواجبات کا بھی لحاظ کیا ہے، کسی ایک بھی بزرگ کے قول وعمل سے یہ ثابت نہیں ہے کہ عید میلا د النبی ہی منا لینا ترک واجبات وفرائض کا کفارہ ہے، ہمارے بزرگوں کی ہمیشہ یہی شان رہی ہے کہ انہوں نے میلا د بھی منایا ہے اور نماز روزے کی پابندی بھی کی ہے، ہمیں بھی اس روش پر چلنا چاہئے، فرائض و واجبات کسی بھی شخصیت سے کسی بھی حال میں معاف نہیں تو ہما وشما کی کیا حیثیت۔ بلکہ اگر غور کرے تو عید میلا د النبی منانے کا سب سے بڑا مقصد ہی یہی ہے کہ ہمارے اندر عبادات وطاعات کا جذبہ بیدار ہو، اور فرائض وواجبات کی ادائیگی میں سنت نبوی اور سیرت محمدی پر چلنے کا عزم کریں، اب اگر پورے جوش وخروش کے ساتھ ہم نے عید میلا د النبی منا لیا اور نماز وغیرہ چھوڑے رہے تو یہ طرز عمل ہمارے لئے بہت زیادہ مفید نہیں ہوگا، عید میلا د النبی کے موقع پر تو ہمارے اندر فرائض وواجبات کی ادائیگی کا جذبہ اور فزوں تر ہونا چاہئے نہ یہ کہ اسی کو پروانہ مغفرت سمجھ کر نماز وروزہ کو چھوڑ بیٹھنا چاہئے، عوام کے اندر موجود اس احساس کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اور انہیں یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ عید میلا د النبی منانے کے ساتھ احکام الٰہیہ کی بجا آوری بھی ضروری ہے، ان کے اندر اس احساس کو بیدار کرنے کا یہ سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ خطبا اور واعظین اپنی تقریروں میں جہاں میلا د منانے پر بشارتوں کا ذکر کریں وہیں فرائض وواجبات کی ادائیگی پر بھی زور دیں، انشاء اللہ یہ بہت کارگر طریقہ ہوگا، علاوہ ازیں عید میلا د النبی کی تقریروں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب حیات کے وہ اوراق پیش کئے جائیں جن میں اللہ رب العزت کی عبادت و اطاعت کا ذکر ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت بیان کرنے کے ساتھ آپ کا ذوق عبادت بھی بیان کیا جائے، اللہ جل مجدہ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

☆☆☆

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

از: عمر حسن ہیوسٹن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے واسطے سے چودہویں پشت میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام ابوصالح موسیٰ جنگی دوست ہے۔ جو جیلان کے علاقے نیف میں آباد تھے۔ ان کا ایک واقعہ جو ان کی زندگی کے لیے بڑا انقلاب ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بار وہ ندی کے کنارے سفر کر رہے تھے کہ ایک سیب بہتا ہوا آپ کی جانب آ پہنچا اور آپ نے اس کو کھالیا۔ مگر پھر فوراً احساس ہوا کے یہ سیب ہرگز جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مالک سے اجازت نہ لی جائے۔ تو آپ حصول معافی اور اجازت کے لئے جہاں سے سیب بہتا معلوم ہوا اس جانب چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک باغ آیا جس میں سیب کے درختوں کی شاخیں دریا تک جھکی ہوئی تھیں۔ ان درختوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ جنگی دوست رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ یہی وہ باغ ہے۔ انہوں نے پھر اس باغ کے مالک کو تلاش کرنا شروع کیا تو لوگوں نے بتایا اس باغ کے مالک حضرت عبداللہ صومعی ہیں اور ان کا صومعہ باغ کے اندر ہے۔ تو آپ نے حضرت عبداللہ صومعی سے ملاقات کی اور ان سے معافی اور اجازت طلب کی۔ حضرت عبداللہ صومعی بہت حیران ہوئے کہ صرف ایک سیب کے لیے وہ اتنا طویل سفر کر کے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ صومعی نے تو پہلے حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی کا حسب ونسب معلوم کیا پھر اس کے بعد کچھ دیر تامل کر کے آپ نے معافی کے لیے یہ شرط رکھی کے حضرت ابوصالح ان کی بیٹی ام الخیر سے نکاح کریں۔ اور یہ بھی بتایا: یہ سمجھ لو کہ ان کی بیٹی گونگی، بہری، لولی، لنگڑی، اور اندھی ہے۔ حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی دوست نے یہ شرط منظور کی، اور ان کا نکاح حضرت ام الخیر سے ہو گیا۔ نکاح کے بعد جب آپ کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت سی خاتون بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ فوراً باہر نکل گئے اور آپ نے حضرت عبداللہ صومعی سے دریافت کیا کہ آپ نے تو میرا نکاح ایک گونگی، اندھی، لنگری اور لولی سے کیا تھا، پر اندر تو کوئی غیر محرم ہے؛ تو حضرت عبداللہ صومعی نے فرمایا کہ جو حجرے میں موجود ہیں وہی ام الخیر تمھاری زوجہ ہیں۔ میں نے جو اس کو اندھی کہا تھا وہ اس لئے کہ آج تک اس کی نظر کسی نامحرم پہ نہ پڑی، اور بہری یوں کہا تھا کہ آج تک اس نے کوئی بری بات نہ سنی، اور گونگی اس لیے کہا کہ آج تک نہ تو اس نے جھوٹ بولا اور نہ ہی غیبت کی۔ اور لولی اس لیے کہا کہ اس نے آج تک کبھی شریعت کے خلاف کام نہیں کیا، اور لنگڑی اس لیے کہا کیونکہ آج تک اللہ کی راہ کے سوا کسی اور راستہ پر قدم نہ رکھا۔ اور پھر حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی دوست اور ام الخیر کو اللہ عزوجل نے ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام عبدالقادر رکھا گیا۔

حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا نسب ۱۲ واسطوں سے امام حسن کے ذریعہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے والد کے ذریعہ سے حسنی اور اپنی والدہ کے ذریعہ سے حسینی سید ہیں۔

ولادت واحوال: آپ رضی اللہ عنہ ۴۷۱ھ رمضان المبارک کے مہینے میں پیدا ہوئے اور آپ کا نام عبدالقادر رکھا گیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو محی الدین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ نے دین اور اسلام کی وہ خدمات انجام دیں جو بے مثال تھیں اور آپ کی خدمات احیائے ملت اور دین کا اہم ذریعہ بنیں۔.................. (بقیہ 52 پر)

سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی

اور تحریک احیائے دین

تحریر: حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

حضور پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی مبارک حیات طیبہ کے مختلف گوشے اہلِ اسلام کے لئے راہِ ہدایت ہیں ۔ آپ کی پاکیزہ ،مجاہدہ،عملی زندگی اور تحریک احیائے دین جو آپ کا مقصدِ حیات بھی تھی۔ پڑھنا ،سننا طالبانِ راہِ حق کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ایمانیات ،تصوف، اصلاحِ عقائد، بندگیِ رب العزت اور بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لانا،اسلام کا پیرو بنانا،احیائے دین کرنا جس کی بنا پر حضرت شیخ محی الدین کا لقب بھی ملا۔ ہم آپ کے ملفوظات کی روشنی میں واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تعلیمات مسلمانوں کے لئے کس قدر اہمیت کا حامل اور دین ودنیا کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اگر آپ کی احیائے دین کی جدوجہد نمایاں نہ ہوتی اور اگر آپ کا یہ امتیازی وصف نہ ہوتا تو پھر یہ لقب بے معنی ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مظلومیت نے آپ کو آتشِ زیرِ پا بنا دیا تھا اور آپ دین کو از سرِ نو زندہ کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف جہاد ہو گئے۔

آپ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھر گئی ہے اس کو درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوگی (سب کو مل کر کام کرنا چاہئے)۔ اے سورج اور اے چاند اور اے دن! تم سب آؤ۔

اس مختصر سے ملفوظ میں احیائے اسلام اور اقامت دین کے لیے کتنی تڑپ، کتنا سوز اور کتنا درد چھپا ہوا ہے۔ اس کو پڑھ کر قاری کا دل ہل جاتا ہے۔ پکارنے والا دین کی اقامت کے لئے پوری کائنا ت کو پکار رہا ہے۔ اس سے زیادہ پر زور اور عام دعوتِ دین دوسری کیا ہوگی۔ احیائے اسلام اور اقامت دین کی جدوجہد کے لئے اجتماعیت کا کتنا شدید احساس ہے۔ آپ ایک دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں: صاحبو! اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں، بدعتیوں، گمراہوں اور مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے ظلم سے جو ان میں نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہے ہیں۔

دین بر حق کی خدمت پر الله کا اجر

حضرت قطب ربانی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے دین برحق کی خدمت اور تبلیغ واشاعت صدق وخلوص کے ساتھ کی اللہ خود اس کا اجر وثواب بن جاتا ہے اور دنیا وعقبیٰ میں اسے عزت وآبرو عطا فرماتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یا ایها الذین آمنوا ان تنصرو الله ینصر کم و یثبت اقدامکم ۔(القرآن، سورہ محمد، آیت ۷) ترجمہ: اے ایمان والو،تم دین خدا کی مدد کرو گے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔(کنزالایمان) اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعہ ہی کراتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ ودعوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔ یعنی انہیں کافروں پر فتح وغلبہ عطا کرتا ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے۔ وہ دین کے ہو گئے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا۔ انہوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انہیں بھی دنیا پر غالب فرما دیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر رب نے فرمایا: و ینصرن الله من ینصره ۔(القرآن

،سورہ حج ،آیت ۲۲) ترجمہ: اللہ اس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔ جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا ہے۔ تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اس کے دین کی نشر واشاعت کرو) وہ تمہیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے گا اور تمہاری ہر طرح کی مدد فرمائے گا۔ پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کے کلام کی تبلیغ واشاعت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور تسلیم ورضا کو اپنا شعار بناؤ۔ جو مسلمان اللہ کے کلام اور اس کے نبی کی سنت کی تبلیغ واشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کردیتا ہے اس کا اجر وثواب فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت ہمیشہ اس کے شاملِ حال رہتی ہے۔ (فتوح الغیب، مقالہ نمبر ۳۸،صفحہ ۱۰۶) سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ اگر حدودِ الٰہی میں (احکامِ شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہے تو سمجھ لو کہ تم فتنے میں پڑ گئے اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے۔ فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو۔ اسے تھام لو۔ نفس کی خواہشات کو جواب دو۔ اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے۔ حضرت محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ساری زندگی خلق خدا کا رشتہ خالق سے جوڑنے میں گزری۔ انہوں نے اللہ کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لگایا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے۔ اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اور اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا: اے عبدالقادر، میں تیرا رب ہوں، میں نے تیرے لئے سب محرمات (حرام) حلال کردئے ہیں۔ میں نے کہا: دور ہو مردود۔ یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی عبدالقادر، خدا نے تمہارے علم وتفقہ کی وجہ سے بچالیا ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کرچکا ہوں۔ میں نے کہا: اللہ کی مہربانی سے۔ کسی نے عرض کیا حضرت، آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے۔ کہا، اس کے کہنے سے کہ میں حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کردیا۔

ایمان کی بنیاد عقیدہ توحید کو مضبوط کرتی ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک مجلس میں توحید کے مضمون کو اس طرح واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا: ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ جو نیکوکار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت نہیں۔ بعض ان میں ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے دور ہیں گو دولت مند ہیں مگر حق تعالیٰ ان کے اندر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں۔ جو شخص اس پر قادر ہو اسے مخلوقات کی بادشاہی مل گئی۔ جو اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔

مشیت الٰہی کے خلاف شکایت مت کر

محبوب سبحانی قطب ربانی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ہم تجھے تاکید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو امور تیرے لئے ظاہر ہوں ان کے خلاف کسی کے سامنے شکایت نہ کر اور اللہ تعالیٰ نے جیسا اور جو سلوک تجھ سے کیا ہو اس فعل کے باعث مخلوقات میں اسے متہم نہ کر (تہمت نہ لگا)۔ اگر کسی دور میں تو مبتلائے مصائب و آلام رہا ہو تو یہ تجھے سمجھنا چاہئے کہ مصیبت کے بعد راحت وآرام ہے اور غم والم کے بعد مسرت وشادمانی بھی اللہ کی طرف سے موعود ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے کلام مقدس میں فرمایا: بلاشبہ مصیبت کے بعد راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بہت وسیع وبسیط ہیں۔ اتنی بسیط کہ بندہ انہیں شمار نہیں کرسکتا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو انہیں ہرگز شمار نہ کرسکو گے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں نوع انسانی کے لئے مقدر ہیں کہ تو ان کا احاطہ بھی نہیں کرسکتا تو اس فیاضی اور رحمت وبخشش سے ہرگز مایوس نہ ہو۔ خالق کے علاوہ مخلوق سے باطنی ربط وتعلق نہ رکھ۔ تیری محبت ہو تو پھر اسی سے ہو عرض حاجت ہو تو اسی کے حضور ہو اور کسی قسم کا شکوہ و شکایت نہ ہو کیونکہ دنیا میں جتنے اور جس نوعیت کے بھی عوامل اور واقعات ہیں وہ سب اس کے اذن اور حکم سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پس احوالِ تقدیر پر شکوہ شکایت نہ کر اور مشیت ایزدی کے

خلاف واویلا چھوڑ دے کیونکہ مختلف مصائب میں کتنے مصائب ہیں جو انسان پر اپنے پروردگار کی شکایت کے باعث نازل ہوتے ہیں۔ شیخ جیلانی فرماتے ہیں: میں حیران ہوں کہ تو ایسے پروردگار کی شکایت کس طرح سے کرتا ہے جو ارحم الراحمین ہے، خیر الحاکمین ہے، فیاض و مہربان ہے، بندوں پر رحمت و بخشش فرمانے والا ہے اور ان پر والدین سے زیادہ شفقت و کرم کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنا کہ والدین اپنی اولاد پر ہوتے ہیں۔ پس تم بھی اللہ کا ادب و احترام اختیار کرتے ہوئے زندگی میں جو مصائب درپیش آئیں ان پر صبر و تحمل کرتے ہوئے اللہ سے عفو و کرم کے خواستگار رہو کیونکہ توبہ اور طلب عفو پر معاف کر دینا اور مشکلات رفع فرمانا اس کا دستور ہے۔ (فتوح الغیب، مقالہ نمبر ۱۸، ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

ایمان کو مضبوط کرنا احیائے دین کا حصہ

حضرت پیران پیر قطب ربانی نے ارشاد فرمایا: اگر تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے لگے تو سمجھ لے کہ تیرا یقین و ایمان بہت کمزور ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرط اطاعت کے ساتھ مومن سے جو وعدہ کر رکھے ہیں ان کی خلاف ورزی وہ ہرگز نہیں کرتا اور جب تیرے دل میں یقین و ایمان محکم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ تجھے یوں خطاب فرمائے گا: آج کے دن تو ہمارا محبوب و مقرب ہے اور ہماری رحمتیں تیرا استقبال کرتی رہیں گی۔ یہ خطاب تجھ سے بار بار ہوگا اور پھر تو خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہو جائے گا اور درجہ ایمان پر تیرا کوئی ارادہ و مطلب باقی نہ رہے گا اور تو ارادۂ الٰہی کی موافقت ہی میں روحانی سرور محسوس کرے گا۔ اب تو اللہ کے سوا تمام دیگر چیزوں سے بے رغبت اور بے نیاز ہو گیا اور شرک کی تمام آلائشوں سے محفوظ۔ اب تجھے اللہ کی طرف سے رتبہ تسلیم و رضا عطا ہوگا اور اس کی حمایت و خوشنودی کا تجھ سے وعدہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتیں تیرے لئے بسیط ہو جائیں گی اور تیرے کلام کو معمور حکمت کیا جائے گا۔ پھر تجھے دنیا و عقبیٰ میں جن و انس تمام مخلوقات میں محبوب و محترم بنایا جائے گا کیونکہ اللہ کی اتباع سے تو نے مخلوق کو مطیع کر لیا ہے۔ اللہ کی محبت مخلوق کی محبت کی ضامن ہے اور اس کا قہر مخلوق میں بغض پیدا کرتا ہے۔ پھر دنیا میں تو نے جن چیزوں کی خواہش کی ہوگی اور تجھے نہ ملی ہوں تو ان کا عمدہ سے عمدہ معاوضہ تجھے آخرت میں دیا جائے گا۔ تجھے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور جنت الماویٰ کی تمام برگزیدہ نعمتیں تجھے عطا کی جائیں گی۔ اگر تو نے دنیائے فانی میں رہتے ہوئے نفس کی لذت و شہوات سے اجتناب کیا اور خالصتاً اپنے معبود برحق ہی کا اپنا قبلہ مقصود بنایا تو اس جذبہ توحید کی برکت سے تجھے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اپنی جائز حلال نعمتوں سے وسعت کے ساتھ فیض یاب فرمائے گا اور عقبیٰ میں تجھے موحدین و صالحین کے ساتھ بلند درجات عطا فرمائے گا۔

راہ اعتدال تبلیغ دین کا حصہ

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے اقوال اور ارشادات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے اسلام کی اعتدال کی راہ کو اپنایا اور بندگانِ خدا کو اس کی تعلیم دی۔ دولت، انسان کے اعمال کی بہتری، خدمت خلق، ایثار قربانی اور رضائے الٰہی کے حصول میں معاون بھی رہتی ہے پھر حکماء کے بقول یہی دولت انسان کی کمزوری اور بے راہ روی، ظلم و زیادتی کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک انتہائی حساس اور نازک پہلو ہے جس کی وجہ سے اسلام نے اعتدال پر زور دیا ہے تاکہ کوئی بشر کسی بشر کا حق چھین نہ سکے۔

دراصل معاملات کی درستگی قانون عدل کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ جب تک عدل و انصاف کا نظام قائم نہ ہو، معاشی زندگی میں حقوق پامال ہوتے رہتے ہیں۔ خوفِ خدا اور احتسابِ نفس اس نظام کی بنیاد ہے۔ جس کے اندر خوفِ خدا اور احتسابِ نفس نہ ہو تو وہ انسان نہ تو اپنی زندگی کے ساتھ انصاف کر سکے گا اور نہ ہی مخلوق کو انصاف دے سکے گا۔ آپ سیدنا شیخ بے پناہ خدا کا خوف رکھتے تھے۔ خلفاء اور حکام کو ہمیشہ تنبیہ کرتے رہتے اور ان کے منصفانہ طرز عمل اور ظالم حکمرانوں کو تنقید فرماتے تھے۔ آپ صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ ضرورت سمجھتے تو بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ

انجام دیتے۔ حکام وسلاطین وخلیفۂ وقت پر تنقید اور ان کے غلط فیصلوں کی مذمت بھی کرتے اور اس کے بارے میں کسی کی وجاہت اور اثر کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ حافظ عمادالدین بن کثیر رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: آپ خلفاء، وزرا، سلاطین کو بڑی صاف گوئی اور بیباکی وجرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں بر سر منبر ٹوک دیتے۔ جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی تھی۔

محبوب سبحانی کے ارشادات و نصیحتیں

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کی قسم نہ کھاؤ۔ اس میں احتیاط رکھو کہ تمہاری زبان سے خدا کی قسم کا لفظ نہ نکلے۔ اس عادت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ایک دروازہ اس کے قلب پر کھول دیا جاتا ہے، اسے رخصت پا یہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے عزم وارادہ میں قوت واستحکام پیدا ہوتا ہے۔ (۲) جھوٹ سے بچو بلکہ ہنسی مذاق میں جھوٹ نہ بولو۔ یہ عادت صادقہ اختیار کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ شرح صدر فرمائے گا۔ اور علم صافی عطا فرمائے گا۔ (۳) ایفائے عہد کرو تاکہ سخا و حیا کے مراتب تم پر آشکارا ہوسکیں۔ (۴) مخلوق الٰہی کے لئے لعنت کا لفظ استعمال نہ کرو۔ ابرار وصادقین کے اخلاق کا یہی طریقہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفظ آبرو فرماتا ہے اور نقصان خلق سے مامون کر دیتا ہے۔ (۵) کسی کے لئے بددعا نہ کرو بلکہ صبر کے ساتھ زور وستم برداشت کیا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مخلوق میں اسے محبت وقبولیت عامہ منصب عطا ہوتا ہے۔ (۶) اہلِ قبلہ میں سے کسی ایک کے مشرک، کافر، منافق ہونے کی بشارت قطعی نہ دو۔ اتباعِ سنت نبوی یہی ہے۔ اور اس بات سے انسان علمِ الٰہی میں مداخلت کرنے سے بچ سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو رحمت عامہ کے فیضان سے کثیر حصہ مل جاتا ہے۔ (۷) گناہ ظاہری یا باطنی ہوں ان سے خود کو بالکل قطع نظر کر ڈالو اور اپنے جوارح کو بھی بچاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قلب وجوارح کو اس کا اثر جلد معلوم ہوجائے گا۔ (۸) اپنی معیشت وروزی کا بوجھ مخلوق پر نہ ڈالو۔ اس عادت سعید سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت خوش اسلوبی سے ادا ہوسکتی ہے اور اس میں کمال عزت ہے۔ اس سے یقین اور اعتماد علی اللہ کی صفات کی تکمیل ہوتی ہے۔ (۹) ابنِ آدم سے ذرہ بھر بھی لالچ نہ رکھ۔ عزت، بزرگی، غنا، خالص نقش شافی تو شاق، اس خصلت میں ہے اور زہد کا اصول اسی بات پر منحصر ہے۔ (۱۰) تواضع اور مدارات کو اپنی عادت بناؤ۔ اس عادت میں جملہ طاعت شامل ہوجاتی ہیں۔ اس میں علو مرتبت ہے، یہی کمالِ تقویٰ ہے اور اس عادت سے صالحین تک رسائی ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے احوال کی شکایت کسی دوست نہ کسی قرابت دار سے اور نہ کسی دوسرے سے کیا کرو۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے۔ کسی مخلوق پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرو اور نہ کسی سے کچھ سوال کرو اور نہ کسی کو دل کی حالت بتلاؤ۔

لقب محی الدین

حضرت عمر کیانی وشیخ عمر بزار سے نقل ہے کہ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے لقب محی الدین کا کیا باعث ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دین اسلام بوڑھا، کمزور ہوگیا تھا اس کو توانا کیا محی الدین ہوا۔

آپ نے خاصانِ خدا کو مخاطب کر کے فرمایا: انتباہ کرنا سیکھو۔ بدعت کے کام نہ نکالو، اطاعت کرو الگ راہ نہ اختیار کرو۔ گناہ سے آلودہ نہ ہوا کرو بلکہ ان سے پاک رہا کرو۔ اپنے مالکِ حقیقی کے آستانہ پر جمے رہو۔ صبر اختیار کرو بے صبر نہ ہو، ثابت قدم رہو، تفرقہ سے بچو، رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہوا کرو۔ ذکر الٰہی کرنے کے لئے اکٹھے ہوجایا کرو۔

آپ کے پند ونصائح بے شمار ہیں۔ ؎ طوفانِ نوح لانے سے اے چشم کیا فائدہ ☆ دو اشک ہی کافی ہیں اگر کچھ اثر کریں۔

حدیثِ نبوی ہے: (ترجمہ) حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں بھی اسے پائے اسے حاصل کرے کیونکہ وہی اس کا بہترین مستحق ہے۔ اللہ ہمیں نیک باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

☆☆☆

بیکل اتساہی کی وفات دنیائے شعروسخن کا نا قابل تلافی نقصان

سونی پڑی ہے بزم سخن اب ترے بغیر!

مفتی محمد قمرالحسن بستوی امریکہ

۳ دسمبر دنیائے شعروادب میں ایک بڑا خلا واقع ہوا۔ جناب بیکل اتساہی دنیائے فانی کو چھوڑ کر دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ انا لله و انا الیه راجعون ۔ بیکل صاحب کا اٹھنا تاریخ شعروادب کا ایک مکمل ورق بند ہوگیا۔ وہ کیا گئے کہ بزم شعروادب سونی ہوگئی۔

بیکل صاحب کی شخصیت ہمہ جہت تھی۔ وہ ایک ساتھ فنون و ادب کی متعدد جہتوں میں بکھرے ہوئے تھے، وہ غزل نگار، نعت گو، گیت نگار، ہائکو، رباعیات، قطعات، دوہے کیا کیا نہیں لکھتے تھے۔ یوں تو وہ شاعروں میں اپنے ترنم کی وجہ سے چھائے ہوئے تھے اور لوک گیتوں کے سبب انھیں عوامی طبقہ بہت پسند کرتا تھا۔ مگر سچ بات یہ ہے کہ ان کی شہرت کی کلیدی وجہ ان کی وہ نعتیہ اور حمدیہ شاعری ہے جس نے ان کو زمین سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ جس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے:

ان کی توصیف ومدحت کا یہ فیض ہے کائنات اک ہتھیلی سی لگنے لگی
زاویے ان کی چشم کرم کے پڑے ایک نقطہ تھے ہم دائرہ ہوگئے

وہ زمینی شاعری کے قائل تھے، ان کا کہنا تھا کہ شعروادب میں ان اسی فیصد لوگوں کی ترجمانی ہونی چاہیے جو گاؤں اور دیہات میں رہتے ہیں اور پوربی، اودھی اور بھوجپوری زبانیں بولتے ہیں، جو فارسی اور عربی کے مشکل الفاظ اور دشوار ترکیبیں نہیں سمجھ سکتے ،اگر ان کو نظر انداز کر دیا گیا تو ادب کا مقصد پورا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں گاؤں کی بولی اردو تراکیب اور محاورات میں بہ کثرت استعمال ہوئی ہے۔

وہ بہ یک وقت مذہبی اسٹیج، غزلی مشاعرے، کوی سمیلن اور لوک گیت کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے مگر ساتھ ہی ساتھ سیاست میں بھی دخیل رہے، ممبر آف پارلیمنٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دوسرگرمیاں بالکل متاثر نہیں ہوتی تھیں، اکابر علماء کرام نے ان پر اعتماد کیا اور بیکل صاحب نے بھی ان کے ادب واحترام اور اخذ فیض میں کوئی کسر نہیں باقی رکھی۔ آج وہ ہم میں نہیں رہے، مگر ان کی شاعری انھیں زندہ رکھے گی ، میں ان کے اہل خانہ، احباب واعزا کے ساتھ غم میں شریک ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آہ! اہلِ سنت کا عظیم شاعر ہمارے درمیان نہ رہا

''بیکل اتساہی'' علم وادب اور سیاست کی دنیا کا نا قابل تلافی نقصان۔

حسانِ زمانہ پدم بھوشن عالی قدر جناب بیکل اُتساھی دینی و ادبی، تعلیمی و سیاسی اجلاس اور مشاعروں کی آبرو تھے۔ 92 سال عزت واکرام کی زندگی گذار کر وہ درویش صفت شاعر اپنے مالک حقیقی کے پاس، پاس ہوکر چلا گیا!

کیا شان کی موت ہے کہ جس ذاتِ پاک حضورِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیت زندگی بھر گاتا اور سُناتا رہا اسی پاک ذات کے ماہِ مبارک ربیع النور میں میں بارگاہِ حقیقی سے طلبی نصیب میں آئی!

گذشتہ شب افواہوں کے چلتے ان کی صاحب زادی ڈاکٹر صوفیہ سے برین ہیمرج کی جانکاہ خبر نئی دہلی سے ملی۔ انھوں نے بتایا کہ رام منوہر لوھیا اسپتال میں زیرِ علاج ہیں لیکن ڈاکٹرز نے جواب دے دیا ہے۔ (باقی صفحہ ۴۸ پر)

تبصرۂ کتب

''زبدۃ الفکر فی مسائل نزھۃ النظر''

از: محمد اظہار النبی حسینی

زیر تبصرہ کتاب دیکھ کر بڑی ہی خوشی ہوئی، دیکھتے ہی ورق گردانی شروع کردی، ابھی ورق گردانی میں ہی لگا تھا کہ مؤلف کتاب کی اس فرمائش ''آپ اس پر ایک تبصرہ لکھ دیں تاکہ وہ ماہنامے میں شائع ہو'' نے ناچیز کو پریشانی میں ڈال دیا؛ کیوں کہ کتابوں پر تبصرہ کرنا، نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا' مگر ناچیز بھی کیا کرتا کہ ارشاد احباب ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جاتا۔

زیر نظر کتاب ''**زبدۃ الفکر** ''اصول حدیث میں علامہ ابن حجر عسقلانی کی مشہور زمانہ کتاب ''**نزھة النظر فی توضیح نخبة الفکر**'' کا مفہومی ترجمہ اور خلاصہ ہے۔ جس کے ذریعہ اصول حدیث کے طالبین تک ''نزھۃ النظر'' کے تمام مباحث ومسائل کو سلیس وشستہ تعبیر، دلکش انداز بیان اور عام فہم زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں مؤلف نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)**شرح نزھة النظر** از: حضرت علامہ سید وجیہ الدین گجراتی علوی (۲)**شرح نخبة الفکر** از: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور (۳) اصول حدیث از: حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی صاحب قبلہ۔

کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ مؤلف نے ترجمہ وتلخیص میں بڑی محنت سے کام لیا ہے اور حسن بیان وترتیب کا اس قدر لحاظ رکھا ہے کہ قاری کو ترجمے کے روکھے پن کا احساس نہ ہو بلکہ ایک مستقل کتاب کا مزہ ملے اور زبان کی چاشنی قاری کو اپنے حصار میں لیے رہے۔ مثلاً **نزھة النظر** میں متابع اور شاہد کی تفصیلی بحث معروف ومنکر کی بحث کے بعد ہے، مگر مترجم نے موقع اور موضوع کی مناسبت سے ان کے تفصیلی مباحث کو فرد مطلق اور فرد نسبی کی جانب غریب کی تقسیم کے مقام پر ذکر کیا ہے اور حاشیہ میں اس بات کی یوں وضاحت کردی ہے: ''متابع اور شاہد کی بحث آگے چل کر مذکور ہے، مگر موضوع کی مناسبت سے ہم یہیں ذکر رہے ہیں۔ اگر یہ بحث دیکھنا ہو تو **نزھة النظر** قدیم (ص:۴۱ تا ۴۳) اور نزہۃ النظر جدید مع الشرح (ص:۱۰۴ تا ۱۰۶) مطبوعہ مجلس برکات، اشرفیہ مبارک پور کا مطالعہ کریں۔'' (ص:۲۴)

مختلف مقامات پر کسی بحث کے اختتام پر ''نوٹ، تنبیہ۔ فائدہ اور فوائد'' جیسے عنوانات قائم کر کے اس بحث سے متعلق ضروری باتیں بھی درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو باتیں اگر درمیان خلاصۂ بحث اگر ذکر کی جاتیں تو شاید سلاست متاثر ہوتی، ایسا کرنا بھی حسن ترتیب کی واضح دلیل ہے۔ مثلاً: صفحہ ۲۹ پر مترجم نے یہ فائدہ رقم فرمایا: ''شیخین کی تخریج کردہ احادیث کو مفید علم نظری بتانے والوں میں استاذ ابو اسحاق اسفرائینی، امام الحدیث ابو عبداللہ حمیدی اور فضل بن ظاہری جیسے محدثین بھی شامل ہیں۔'' اگر یہ فائدہ خلاصہ بحث کے درمیان بیان کردیا جاے تو یقیناً درمیان بحث میں فائدہ معترضہ کے آنے کی وجہ سے قاری کو کچھ عجیب کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا۔

اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مترجم نے بعض مقامات پر بڑا ہی مفید حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو فہم مراد میں معاون ہونے کے ساتھ ساتھ معلومات میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ مثلاً اسناد کی تعریف کے مقام پر مؤلف نے حاشیہ لگایا ''ابتداے کتاب میں اسناد کی تعریف یوں کی گئی تھی: **الاسناد :حکایة المتن**'' اور یہاں فرماتے ہیں: **ھو الطریقة الموصلة الی المتن**'' دونوں میں کوئی منافات نہیں، کہ پہلی اضافت اضافت بیانیہ اور ''حکایت'' سے مراد ''الطریق'' ہی ہے۔ (۸۱)

ان حواشی میں بعض حواشی ضرور طویل مگر تحقیقی اور انتہائی مفید ہیں جیسا کہ ص:۴۹ پر وبائی امراض کے متعدی ہونے پر نفیس تحقیق کے عنوان کے تحت اور اسی طرح ص:۶۳ پر ثبوت وضع کے طریق کے بیان میں

لکھے جانے والے حواشی توجہ کے ساتھ پڑھے جانے کے لائق ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود ناچیز کا مؤلف موصوف کو یہ مشورہ ہے کہ اگر اس کتاب میں مزید توجہ دی جاتی تو کتاب اور بھی زیادہ مفید اور معلومات افزا ہوتی؛ اس لیے کہ کئی مقامات پر ایسی بے توجہی ہوئی کہ مفہوم واضح نہیں ہو پاتا بلکہ ایک مقام پر تو مفہوم ہی بگڑ گیا جیسا کہ ص:۱۲ پر ہے: ''لہٰذا ہر حدیث خبر ہے مگر ہر حدیث خبر نہیں'' اس عبارت میں جو خرابی اور تعارض ہے وہ بالکل واضح ہے یقیناً یہ عبارت یوں ہونی چاہیے: لہٰذا ہر حدیث خبر ہے مگر ہر خبر حدیث نہیں۔''

اب ایک عام غلطی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، اور وہ ہے کمپوز اور پروف کی غلطی۔ موجودہ دور میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہوئی ہو جو کمپوز اور پروف کی غلطی سے پاک ہو۔ کسی میں کم تو کسی میں زیادہ۔ مترجم موصوف نے ابتداے کتاب میں کلی وجزئی کسی بھی طرح کا تعاون پیش کرنے کی جو فہرست پیش کی ہے اگر ان تمام حضرات نے پروف میں تعاون کیا ہے تو اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں پروف کی خامی زیادہ ہے۔ ان میں سے چند کی نشان دہی کی جاتی ہے: ص:۷ پر حولے'' (حوالے) (ص:۱۰: پر ''بعد الخطب'') بعد الخطیب (ص:۱۵ پر '' اس لیے کے'' (اس لیے کہ) اکثر مقام پر) ص:۱۷ پر کسی حدیث کے اخراج (استخراج) وغیرہ۔

کتاب کے اخیر میں از ہر ہند باغ فردوس الجامعۃ الاشرفیہ کے امتحانی پرچوں کہ کچھ نمونے شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ ناچیز ان پرچوں کو شامل کرنے کا مقصد خیر سمجھنے سے قاصر ہے۔ اگر ان کی جگہ حدیث واقسام حدیث کی نقشہ جاتی تفہیم کی کوشش کی گئی ہوتی تو یہ مناسب ہوتا۔

بہر حال کتاب انتہائی مفید اور تشنگان علم اصول حدیث کو ابتدائی منزل میں سیراب کرنے کے لیے کافی ہے، اس کتاب کی اشاعت پر مؤلف اور ان کے تمام معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں، خصوصاً تحریک اصلاح ملت، مظفر پور (بہار) اور اس کے اراکین، جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھا کر اسے ہم تک پہنچایا اور استفادہ کی راہیں آسان کی جا سکیں، ورنہ سبھی یہ جانتے ہیں کہ اشاعتی مرحلے میں پیش آنے والی دشواریوں کی وجہ سے بہت ہی کتابوں سے استفادہ کرنے سے آج ہم محروم ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴۶)......پھر یہ افسوسناک اطلاع ملی کہ بیکل صاحب سفر آخرت کو سدھار گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون!

آپ حضور حافظ ملت قدس سرہٗ کے چہیتے مریدوں میں تھے، آپ ہی کی کاوش سے حافظ ملت علیہ الرحمہ نے بغیر فوٹو کے حج فرمایا، آپ مذہب، ادب، تعلیم اور سیاست کے میدانوں میں نمایاں مقام رکھتے تھے، وہ انڈین پارلیمنٹ کے رکن بھی رہے، ہندوستانی حکومت نے ان کی خدماتِ جلیلہ کے صلے میں انھیں ''پدم بھوشن'' کے اعزاز سے بھی نوازا تھا۔ پنڈت نہرو جب ملک کے وزیر اعظم تھے اس وقت وہ اکثر یوم جمہوریہ و یومِ آزادی کے موقع لال قلعہ کی فصیل سے حب الوطنی پر مشتمل گیت اپنے مخصوص ترنم میں گایا کرتے تھے۔ انھوں نے ادب کی جملہ شعری اصناف میں کامیاب ترین طبع آزمائی فرمائی، حمد، مناجات، نعت، سلام، مناقب، قصائد، مرثیے، دوہے، غزلیں، نظمیں، گیت، گیت نما، ہائیکو، ترائیلے، ماہیے وغیرہ وغیرہ اصناف پر ان کی تقدیسی، بہاریہ، غزلیہ اور حب الوطنی پر مبنی شاعری پر مشتمل ایک کلیات بہ نام ''کلیات بیکل'' 1186 صفحات پر مشتمل فاروق ارگلی کا مرتبہ فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہو چکا ہے، آپ کی شعری خدمات پر کئی ریسرچ اسکالرز نے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔

ناچیز مشاہد رضوی پر بیکل صاحب بڑا کرم فرماتے تھے، اکثر ٹیلی فونک رابطہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ناچیز کی نعت گوئی پر آپ نے دسمبر 2010ء میں اپنے گراں قدر تاثرات بھی قلمی صورت میں ارسال کیا تھا جو میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ آپ بڑے نفیس انداز میں خط لکھا کرتے تھے اور فون پر گفتگو بھی شفقت آمیز رہا کرتی تھی۔ اصاغر نواز وقت کے عظیم مدحت نگار پدم بھوشن بیکل اتساہی کے انتقال پُر ملال پر ہم اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے دعاے مغفرت کرتے ہیں، اللہ کریم ان کی سئیات کو حسنات سے بدل کر ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل! آمین بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوگواران: محمد حسین مشاہد رضوی

و جملہ اہل خانہ، مالیگا?ں (ناشک)

عالمی کانفرنس

اہل سنت و جماعت اردن (عمان) کی روداد

فضیلۃ الشیخ ابوبکر احمد الملیباری الہندی (بانی مرکز الثقافۃ السنیہ کیرالا، و جنرل سکریٹری سنی جمعیۃ العلما ہند)
مترجم: مفتی ابن جماعہ علیمی مفتی مذاہب اربعہ مرکز الثقافۃ السنیہ یونیورسٹی، کیرلا (الہند)

قمر العلما شیخ اے پی ابوبکر باقوی ملیباری بانی مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ) نے اہل سنت وجماعت کی عالمی کانفرنس منعقدہ اردن (عمان) بتاریخ۲۳، ۲۴، ۲۵/ اکتوبر ۲۰۱٦ء کی روداد عربی زبان میں پیش کی۔ مفتی ابراہیم ابن جماعہ علیمی مفتی مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ (کیرلا) نے روداد کا اردو ترجمہ تحریر فرما کر ادارہ ''ماہنامہ پیغام شریعت'' کو بغرض اشاعت ارسال فرمایا۔ طارق انور مصباحی (کیرلا)

الحمد للّٰہ الذی لہ ملک السموات والارض والصلٰوہ والسلام علٰی سیدنا محمد صاحب لواء الحمد والحوض وعلٰی آلہ وصحبہ المتبعین لہ فی السنن والفرض والذین اتبعوھم الٰی یوم الحشر والنشر.

اما بعد: جملہ مسلمان ہند اہل سنت و جماعت! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت تا قیامت نازل ہو۔

تمہید: مجھے سال ۱۹۷۸ء کے ایام یاد آ رہے ہیں، جب میں نے جامعہ الثقافۃ السنیۃ الاسلامیہ کا سنگ بنیاد مفتی مکہ مکرمہ سید محمد بن علوی مالکی کے مقدس ہاتھوں سے رکھوایا تھا۔ نہایت مختصر عرصے میں جامعہ مرکز دینی وعصری علوم کی عظیم یونیورسٹی بن گیا، شمال ہند سے سنی حنفی طلبا ابتدائے تولید سے اب تک دسیوں ہزار کی تعداد میں عالم وفاضل، حافظ اور ازہری (تخصص) کی سند سے سرفراز کیے جا چکے ہیں۔ عصر حاضر میں کسی عظیم یونیورسٹی کا کوئی ایک بھی ایسا شعبہ نہیں، جو اس مرکز یونیورسٹی میں موجود نہ ہو، بلکہ ہاسپٹل اور یونانی میڈیکل کالج بھی مرکز کے پاس ہے۔ سب سے بڑھ کر خوشی کی بات تو یہ ہے کہ مکمل 200 / دوسو ایکڑ زمین پر ''نالج سٹی'' کا قیام عمل میں آ چکا ہے، جہاں ایک مسجد ہے جو ہندوستان کی بہت بڑی مسجد ہے، جس میں 15000 / افراد کے لیے ایک ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ نالج سٹی کی عمارتوں میں سے ہر عمارت، پچیس/تیس یا پچاس منزلہ تعمیر ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ چند ہی سالوں میں مرکز الثقافۃ السنیہ قصبہ کارنتور سے ''نالج سٹی'' میں منتقل ہو چکا ہوگا اور موجودہ مرکز کی پچیس ایکڑ زمین پر موجود ساری تعمیرات، عظیم مرکز کا ایک چھوٹا سا شعبہ ہوگا۔

مسلمانان اہل سنت ہند! اللہ تعالیٰ آپ سب پر رحم فرمائے۔ آخر یہ سب کس کا ورثہ ہے؟ اس کے وارث کون افراد ہیں؟ یہ سب تمام اہل سنت کا ورثہ ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ سب آگے بڑھیں اور اس سے استفادہ کریں۔ ایک اجتماعی قوت بنائیں۔ انشاء اللہ ہمارے سارے مسائل حل ہوں گے۔

میں نے ہندستان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد عرب ممالک کے مشاہیر علما و مشائخ سے اکتساب فیض کیا تھا کہ عالم اسلام کے

پچاسوں ملک میری آماجگاہ بن گئے۔ اکثر ممالک میں ہم نے اہل سنت و جماعت کی اکثریت دیکھی۔ دنیا بھر میں اہل سنت کی بے شمار تنظیموں کا مجھے ممبر بنایا گیا، خصوصا یمن، دبئی، ترکی، لبنان، عمان، سعودی عرب، جزائز، مسقط، متحدہ عرب عمارات، انڈونیشیا، ملائشیا، سوڈان، نائجیریا، مصر، شام، روس، عراق، بوسنیا، آسٹریلیا، البانیہ، ازبکستان، سیوزرلینڈ، فیزی، اوفجی، کیناڈا، موریشش، برطانیہ اور متحدہ امریکہ وغیرہ کی ہزاروں کانفرنسوں اور محافل میلاد النبی ﷺ میں مدعو کیا گیا ہوں۔ یقیناً ہر ملک میں اکثریت اہل سنت و جماعت صوفیا کی ہے، لیکن جب سے سلفیوں نے تبلیغی کارنامے انجام دینا شروع کئے۔ آہستہ آہستہ عالم اسلام میں اختلاف، تکفیر، گروہ بندی، دہشت پسندی، پھیلتی چلی گئی، جب کچھ علمائے اہل سنت نے ان کے ہاں میں ہاں ملائی، بس وہیں سے اہل سنت جماعت میں بھی گروہ بندی ہوگئی۔

1998ء میں مجلس اسلامی امریکہ کا مجھے رکن بنایا گیا اور اسی سال عمان کی آل بیت تنظیم کا بھی دائمی ممبر بنا دیا گیا۔ اس تنظیم کے زیر انتظام ہر سال نہایت اعلیٰ پیمانے پر عالمی سطح پر کانفرنس کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں علمائے اہل سنت اور اسکالرس و محققین مدعو کئے جاتے ہیں۔ کانفرنس میں عصر حاضر کے مطابق خالص چند اسلامی مسائل کو منکشف کیا جاتا ہے۔ سال رواں 2016ء اکتوبر میں بھی یہ کانفرس منعقد ہوئی تھی، جس میں ہم شریک تھے۔ اس لئے وقت کے تقاضہ کے پیش نظر ہم روداد کانفرنس پیش کئے دیتے ہیں، تاکہ انڈیا میں کانفرنس کرنے والوں کی کچھ رہنمائی کی جاسکے۔

روداد عالمی کانفرنس (عمان)

مورخہ ۲۳/ تا ۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو اردن کی راجدھانی عمان میں موسسۃ آل بیت الملکیۃ للفکر الاسلامیہ (شاہی ادارہ آل بیت برائے فکر اسلامی) کے زیر نگرانی منعقد ہونے والی ۱۷/ ویں عالمی کانفرنس میں حاضر ہوا۔ اس میں شرکت کوئی نئی بات نہیں تھی، بلکہ پچھلے تقریباً دس برسوں سے میں اس کا باضابطہ دائمی ممبر بھی رہا ہوں اور ہر سال علمی و عملی مباحثات میں شرکت بھی کرتا رہا ہوں۔ واضح رہے کہ عمان کی یہ موسسۃ اہل سنت و جماعت کی ہے، جس کی ہر سالانہ عالمی کانفرنس میں سنی دائرۂ کار کے مطابق کوئی اچھوتا اور عمدہ عصری بہترین موضوع، مبحث سخن ہوتا ہے۔

اردن کی راجدھانی عمان میں آل بیت اکیڈمی کی جانب سے ۲۵/ اکتوبر کو اہل سنت و جماعت کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، یہ مسلسل تین روزہ کانفرنس تھی۔ اس دن کانفرنس کا عنوان ''حضور اقدس ﷺ کے مفصل ملفوظات و یومیات، اور اس پر علمی بحث و مباحثہ'' تھا۔

اہل سنت و جماعت کی یہ عالمی کانفرنس چیچنیا کے عالمی کانفرنس کے معاً بعد منعقد کی گئی تھی، جو کہ اسی کی دوسری کڑی خیال کی جارہی تھی۔ اس میں علما و مشائخ کرام اکثر وہی تھے جو چیچنیا کانفرنس میں موجود تھے۔ دنیا کے ہر خطہ سے علمائے اہل سنت اس عالمی کانفرنس میں حاضر تھے

کانفرنس کی غرض و غایت: اہل سنت و جماعت سے منحرف متشدد جماعتوں کا حساب ہم کسی ایک ہی کانفرنس میں نہیں لے سکتے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ عالمی سطح پر بے شمار کانفرنسیں متفرق مقامات پر منعقد کی جائیں اور برملا اظہار حق کیا جائے اور منحرف جماعت (سلفی) کے اغلاط کی نشاندہی کی جائے۔

منحرف ٹولہ (سلفی) ایک طرف تمام اہل سنت جماعت کی تکفیر کرتا ہے، جس کا دفاع چیچنیا کانفرنس میں کیا گیا تو دوسری طرف بے شمار خرافات و معتقدات کو دین بنا لیا ہے جو اہل سنت و جماعت کے یکسر مزاحم ہے مثلاً سرکار دوعالم ﷺ کے والدین کریمین حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کی تکفیر وغیرہ۔

پہلی مجلس: مورخہ ۲۲/ محرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۶ء بوقت ۱۱/ بجے صبح۔ تلاوت قرآن مجید شیخ احمد الزعبی نے کیا اور اس کے بعد شاہی ترانہ پڑھا گیا۔ پہلی مجلس دو نشستوں پر مشتمل تھی۔ پہلی نشست کی صدارت ڈاکٹر عبدالعزیز التویجری صاحب نے کی، اور اس نشست میں پانچ موضوعات پر مقالات پیش کئے گئے۔ پہلا مقالہ زیر عنوان'' التسوية بين الكتاب والسنة فى الافتراض

والـحـجية "(فرضیت کوثابت کرنے اور حجت شرع ہونے میں کتاب وسنت کے مابین تساوی)فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد القادری نے پیش کیا،جبکہ دوسرا مقالہ زیرعنوان"غزوۃ البدر الکبریٰ : دروس وعبـر "(غزوہ بدر کبریٰ:درس وعبرت)فضیلۃ الشیخ محمد احمد حسین نے پیش کیا۔تیسرا مقالہ زیرعنوان" الھجرۃ الٰی استراحۃ الحبشہ : الـزمـان والمکـان"(حبشہ کی جانب ہجرت:زمان ومکان کے تناظر میں)پروفیسر ڈاکٹرعزالدین عمر موسیٰ نے پیش کیا۔چوتھا مقالہ زیر عنوان"قـرءـۃ لـلیـوم النبوی" (ایام نبوت)پروفیسر ڈاکٹر سلمان العودہ نے پیش کیا۔جب کہ پانچواں اور اخیر مقالہ زیر عنوان" خـطـاب الـنـبـی ﷺالٰی مـلـکی عمان "(عمان کے دو بادشاہ کی جانب نبی کریم کا مراسلہ وخطاب) تھا۔اس کے بعد عام تبصرہ پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

پہلی مجلس کی دوسری نشست میں تین عناوین پر مقالات پیش کئے گئے،جس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو نے کی۔پہلا مقالہ زیرعنوان"کـلـمۃ"فضیلۃ الشیخ ابراہیم الحسینی نے پیش کیا۔دوسرا مقالہ زیرعنوان"الشـوریٰ بیـن التطبیـقـات النبویۃ وواقعنا المعاصر"پروفیسر ڈاکٹر بکر زکی عوض نے پیش کیا اور اخیر مقالہ زیرعنوان"السیـرۃ الـنـبـویۃ بین الحقائق المـوثـقۃ والتـاویلات المزیفۃ"پروفیسر ڈاکٹر عباس الجراری نے بیان کیا۔اس کے بعد عام مباحثے پر مجلس کا اختتام ہوا۔

دوسری مجلس :مورخہ ۲۳/محرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو بوقت صبح تلاوت قرآن سے شروع ہوئی،جس میں کل تین موضوعات پر مقالات پیش کئے گئے،جس میں صدارت کے فرائض ڈاکٹر ہشام نشابہ نے انجام دیا، پہلا مقالہ پروفیسر ڈاکٹر عارف النایض نے بعنوان"الـجانب التـراحمی عند النبی ﷺ فـی یـومیاتہ"(نبی کریم ﷺ کی زندگی میں صلہ رحمی کا پہلو)دوسرا مقالہ میں(فضیلۃ الشیخ سلطان العلما ابوبکر احمد ملیباری) نے بعنوان "نـحـو استخـلاص یـومیـات نـبـویۃ مـورخۃ و مفصلۃ من روایات سیرۃ النبی ﷺ"(تاریخ وروایات کی روشنی میں حضرت سرور کائنات ﷺ کی سیرت وحالات کا مفصل جائزہ)پیش کیا اور اخیر مقالہ عمر بن حفیظ یمنی نے بعنوان "مـعـرفۃ صاحب السیرۃ العطرۃ ﷺ مفتاح لفھم احداثھا" (حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا جاننا آپ ﷺ کی زندگی میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو جاننے کے لئے کنجی ہے)اسی دن دو مجالس مزید منعقد ہوئی،جس میں مقالات پیش کئے گئے۔

تیسری مجلس :مورخہ ۲۴/محرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۶ء بوقت صبح: تلاوت قرآن کریم سے مجلس کا آغاز ہوا،جس میں کل آٹھ موضوعات پر مقالات پروفیسر ڈاکٹر عارف النایض کی صدارت میں پیش کئے گئے۔پہلا مقالہ سید جواد الخوئی نے بعنوان "الـرحـمۃ سمۃ لشخصیۃ المحمدیۃ"(رحمت شخصیت محمدی کا امتیازی نشان ہے)پیش کیا۔جبکہ دوسرا مقالہ میں(ہندستان کے شیخ العلماء فضیلۃ الشیخ ابوبکر احمد ملیباری) نے بعنوان "کـان والـدا رسـول اللّٰہ ﷺ موحدین مومنین ونجاتھما ثـابـتۃ بالقرآن والسنۃ"(حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کے والدین کریمین موحد اور مومن تھے اوران دونوں کی نجات قرآن وسنت سے ثابت ہے) پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔یونہی دیگر چھ مدلل مقالات علمائے دہر نے پیش کیا اور اخیر میں عام بحث ومباحثہ کے بعد دکتور علی جمعہ سابق مفتی اعظم مصر کی دعاوفاتحہ پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔

عصر حاضر کی ضرورت :جمہوریہ ہندستان میں داخلی طور پر جہاں گونہ گوں مسائل کا سامنا ہے وہیں پر عالمی سطح پر بھی چند سربکف مسائل کا سامنا ہے۔دو چند مسائل ہوں تو ان کا تذکرہ کیا جائے۔یہاں تو ہر مسئلہ کے تحت بے شمار مسائل ہیں،ہندستان میں صحیح طور پر جمہوریت کی بحالی بھی ایک مسئلہ ہے،حکومتی سطح پر عدم رواداری بھی ایک مسئلہ ہے، دہشت انگیز مسلم مخالف تنظیموں کی دہشت انگیزی بھی ایک مسئلہ ہے، عصری اعلیٰ تعلیمات سے مسلم اکثریت کا انخلا بھی ایک زبردست مسئلہ ہے،اسلامی جماعتوں کی باہم تکفیر بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔لیکن عصر حاضر میں عالمی سطح پر یہ بھی ایک ضروری مسئلہ ہے کہ سلفی جماعت جس کی بنیاد تشدد اور خودساختہ نظریات پر ہے۔ان لوگوں نے اہل سنت وجماعت کی

تکفیر کرنے، ان کو قتل کرنے، ان کی مساجد، خانقاہ، اور بزرگان دین علما و اولیاء اللہ، صحابہ و تابعین کے قبور مسمار کرنے کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے جاری کر رکھا ہے۔ اس صدی میں تو ان سلفیوں نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ انہوں نے عالم میں اپنا تعارف اہل سنت سے کرایا، جبکہ وہ اہل سنت نہیں۔ اس لئے پوری دنیا کے اہل سنت مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر دہشت گرد خوارج کو اہل سنت سے بالکل علٰیحدہ کر دینا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ مذکورہ بالا مسئلہ کو ہندوستانی سطح پر حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل بنیادی مادوں کی ضرورت ہے۔

(۱) مخلص مشائخ و علما کی ضرورت: پورے ہندستان کے سربلند، قابل قدر علما و مشائخ اپنی پوری توانائی اور عزم مصمم کے ساتھ آگے بڑھیں۔

(۲) فرزندان جامعات اہل سنت کی ضرورت: پورے ہندستان کے تمام طلبہ باہم رابطہ میں آجائیں، جس کو درج ذیل دو تنظیموں کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ MSO اور SSF۔ اہل سنت و جماعت کی یہ دونوں ہی تنظیم آل انڈیا ہیں۔ مزید برآں عام اہل سنت نوجوانوں کے لیے آل انڈیا لیول پر MOI اور کیرلا ریاستی لیول پر SYSk کا قیام ہے، اور مذکورہ دونوں تنظیم تمام مدارس، مکاتیب، دارالعلوم، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے تمام مسلم طلبہ کو ایک سلسلہ میں جمع کرتی ہے، جس کے اغراض و مقاصد اس کے بائلاج میں تحریر ہیں۔ اس پر اب مزید کام کرنے کا وقت آگیا ہے۔

MSO کے فرزندان اہل سنت سے گزارش: آل انڈیا MSO کے تمام مسلم طلبہ و طالبات سے اپیل ہے کہ وہ اپنا دائرہ کار وسیع تر کریں۔ تنظیم کو بہ ہر نہج تقویت و توانائی فراہم کریں۔ اپنے بزرگوں اور علماء و مشائخ پر اعتماد کریں۔ ان پر تنقید اور بے جا اعتراضات و خدشات سے پرہیز کریں۔ عصر حاضر کے مسائل بڑے سنگین ہیں۔ اپنوں پر بے جا اعتراضات کر کے اپنی توانائی ہرگز صرف نہ کریں۔ حتی الامکان تمام اہل سنت کو ایک مجتمعہ قوت بنانے کی فکر میں لگے رہیں۔ خود اہل سنت کی جمعیت میں گروہ بند عناصر کی اصلاح کریں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تمام اہل سنت کو مجتمع فرمائے اور مسلمانوں کے تمام مسائل حل فرمائے (آمین) ☆☆

صفحہ 41 کا بقیہ: آپ رضی اللہ عنہ ابھی بچپن میں ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت ابو موسیٰ جنگی دوست کا وصال ہوگیا۔ اب آپ کی پرورش کی تمام ذمہ داری آپ کی والدہ ام الخیر فاطمہ کے سپرد ہوگئی۔ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ۱۸ برس کے ہوئے تو ایک دن آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے سفر کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے اجازت عطا فرمائی، حالانکہ اس دور میں سفر انتہائی دشوار تھا، اور کسی کارواں کا صحیح سلامت پہنچ جانا بہت بڑی بات تھی۔

جب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نیف سے بغداد کی جانب روانہ ہوئے تو آپ کے قافلے کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا، مگر آپ کی کرامت یہ تھی کہ ڈاکوؤں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کرلی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب ڈاکو آپ کے پاس آیا تو آپ نے سچ سچ بتادیا کہ آپ کے پاس کتنا مال ہے۔ اس پر ڈاکوؤں کے سردار نے پوچھا کہ آپ نے ہم کو کیوں بتایا؟ اس پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں کبھی جھوٹ نہ بولونگا۔ آپ کے صدق و صفا کو دیکھ کر ڈاکوؤں کے سردار کو پشیمانی ہوئی اور اس نے آپ کے ہاتھ پر سچی توبہ کی، اور باقی ڈاکوؤں نے بھی سچی توبہ کرلی۔ حضور غوث پاک جب بغداد پہنچے تو آپ نے حضرت شیخ حماد بن مسلم دیاس کے ہاتھ پر بیعت کی اور تعلیم دین کے لیے آپ حضرت قاضی ابوسعید مبارک المخزومی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور متعدد ماہرین فن سے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ آپ فقہ میں حنبلی مذہب رکھتے تھے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ نے اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کا وصال ۹۱ سال کی عمر میں گیارہ ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں بعد نماز عشا ہوا۔ پورے شہر میں خبر پھیلی تو آپ کی زیارت کے لیے عقیدت مندوں کا جم غفیر ہوا کہ دوسرے دن میں تدفین نہ ہوسکی اور آپ کو دوسری شب دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار اقدس بغداد کے مشرقی علاقے میں واقع ہوا اور یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ درس دیا کرتے تھے۔ اسی لیے اب اس جگہ کو مزار غوثیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

خیر وخبر

جامعہ ازہر مصر میں عرس اعلیٰ حضرت کا اہتمام

بسم اللہ الرحمٰن الر حیم: نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ الہ وصحبہ اجمعین

بہت ہی فرحت وشادمانی کی بات ہے کہ پہلی دفعہ عالم عرب میں ۲۳؍نومبر ۲۰۱۶ بروز بدھ جشن امام احمد رضا خاں عالمی تنظیم **الهيئة الاسلامية العالمية للتعليم والتربية** کے زیر اہتمام نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ اور خوشنما انداز میں معروف عالمی ادارہ جامعہ ازھر قاھرہ (مصر) میں منایا گیا اور حیرت و استعجاب کی بات کہ اس تقریب انگر میں تقریباً پچاس مما لک کے علماء اسکالرس نے شرکت فرمائی۔ جشن کا آغاز فخر القراء حضرت قاری محمد بلال ازھری ھندی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا اور شعرائے کرام نے نعت ومنقبت کے اشعار پیش کئے، اور اس موقع پر اسکندریہ سے تشریف لائے ہوئے صوفی باصفا شیخ **علامہ نعیمۃ ازھری** نے عشق اعلیٰ حضرت کو اپنے موضوع کا مرکز ومحور بناتے ہوئے فرمایا کہ ایک عاشقِ صادق کا نام اعلیٰ حضرت ہے اور اس تاریخی جشن معطر کے مہمان خصوصی **حافظ صحاح ستۃ امیر المومنین في الحديث محمد ابراهيم عبد الباعث الحسيني الكتاني** نے اپنے پر مغز خطاب میں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے جس اسلوب کے ساتھ فرقہ باطلہ کا رد کیا اور قلیل مدت میں اتنی کثیر مقدار میں کتب تصنیف فرمائی یہ ان کے تبحر علمی پر شاہد ہے اور وہ بلا ریب محقق، محدث، مجدد تھے اور اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت نے جو منہج واسلوب اپنی تصنیفات ممیّزہ میں ابھرتے ہوئے مذاہب باطلہ کے افکار کے سدباب کے لیے اختیار کیا تھا اگر ہم اسی طریقے کو اپنالیں تو تخریب کار تنظیموں (، داعش وغیرہ) کا بآسانی صفایا کیا جاسکتا ہے۔ اور بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ محدث عالم نے جملہ حاضرین کو سند حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔

اس نایاب خطاب کے بعد مستشار شیخ الازھر فضیلۃ الشیخ دکتور عبدالصمد محمد مھنا نے بڑی ہی فکر انگیز اور متنوع نکات کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے اوصاف پر روشنی ڈالی اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے مشن پر چلنے کی تلقین فرمائی۔

خاص طور سے تصوف کی طرف رغبت دلاتے ہوئے **منہج وسطیت** کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔

اخیر میں فضیلۃ الشیخ وحید الزماں مصباحی ازہری نے جملہ شرکاء سامعین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور صلوۃ وسلام کا نذرانہ صدر تنظیم مصلح قوم وملت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت فضیلۃ الشیخ شاہنواز عالم مصباحی ازہری نے پیش فرمایا اور تقریب کا اختتام صوفی باصفا شیخ علاء نعیمۃ ازہری کی رقت آمیز دعا پر ہوا۔

کانفرنس کی صدارت: فضیلۃ الشیخ علامہ شاہنواز عالم مصباحی ازہری نے فرمائی۔

قیادت: فضیلۃ الشیخ علامہ وحید الزماں مصباحی ازہری نے فرمائی۔

سیادت: فضیلۃ الشیخ قاری محمد بلال مصباحی ازہری، فضیلۃ الشیخ مولانا اشرف جیلانی مصباحی ازہری اور مولانا قمر الزماں ازہری نے فرمائی۔

اور اختتام تقریب پر نہایت عمدہ تصنیف (**الانصاف الامام**) مولفہ فضیلۃ الشیخ دکتور خالد ثابت (مصر) کی جملہ حاضرین میں تقسیم کی گئی۔

اور کانفرس کا انتظام وانصرام حضرت مولانا عرفان ازہری، حضرت مولانا امتیاز ازہری، حضرت مولانا مبارک حسین ازہری، حضرت مولانا شفیق حنفی ازہری، حضرت مولانا اشفاق حنفی ازہری، حضرت مولانا رضوان حنفی ازہری بڑی حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔

ہم صد بار مبارک باد پیش کرتے ہیں عالمی **الھیئة الاسلامیة العالمیة للتعلیم و التربیة** کے صدر وارا کین کو جنھوں نے اعلی حضرت کی شخصیت اوران کے افکار ونظریات کو عالم عرب میں متعارف کرایا اوران شاء اللہ مستقبل میں اسی عالمی تنظیم کے ذریعہ کئی ممالک اہل سنت وجماعت کے قابل تحسین کام عمل میں آئیں گے۔ آپ تمامی حضرات سے دعا کی درخواست ہے۔

رضوان حنفی ازہری۔ کلیۃ لغۃ عربیۃ۔ جامعۃ الازھر الشریف (مصر)

افتتاح طب نبوی

تمام قارئین کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ خانقاہ راہ سلوک، چاند پور، مرادآباد، یوپی کی جانب سے طب نبوی پر مشتمل .F.Q فارمیسی تیار ہوکر منظر عام پر آچکا ہے جو مسلک اعلی حضرت کے فروغ وارتقا اور تمام انسانیت کی خدمت کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ جس کا افتتاح مورخہ 20 دسمبر 2016 بروز منگل ہونے جارہا ہے۔ اس لیے ان ادویات سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

محمد عرفان رضا، استاد الجامعۃ المکیہ، یوپی

مکتوب حضرت مولانا محمد ظہیر عالم قادری چشتی

باسمہ تعالی

ماہ ربیع النور کے حسین اور پُر بہار موقع پر حضور جان نور علیہ الصلاۃ والسلام کے فضائل وخصائل پر مشتمل ماہنامہ پیغام شریعت باصرہ نواز ہوا۔ اس کے تمام مضامین نہایت ہی وقیع اور گراں قدر پایا۔ چونکہ قوم وملت کی فلاح و بہبودی ان کی اجتماعی زندگی سے متعلق ہوتی ہے۔ اس لیے اس رسالہ کے عناصر اور مواد کچھ اس انفرادیت کے حامل ہوں کہ دینی، مذہبی، سماجی اور اسلامی سیاسی عناوین کو بھی جگہ مل سکے۔ تاکہ عوام وخواص کا ہر طبقہ اس سے مفید ہو سکے۔ ہم اس کے مدیر اعلی اور تمام ارکان مجلس بالخصوص مولانا محمد قاسم مصباحی قادری کو بصد خلوص مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اہل قلم حضرات توجہ دیں!

قلم کار حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ اپنے گراں قدر مضامین صاف لکھ کر ارسال فرمائیں۔ کمپوز شدہ تحریر ان پیج کی فائل میں بھیجیں تو اس سے آپ کی تحریر میں غلطیوں کے امکانات کم ہوں گے۔ اپنے مضامین مختصر اور چھوٹے لکھیں، جو دو تین یا چار صفحات تک محدود ہوں، زبان عام فہم استعمال کریں اور اپنی تحریر میں حوالے کا التزام کریں۔ اپنی نگارشات کے اخیر میں اپنا نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت میں ایسا مضمون شائع نہ ہوگا جو کسی رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 02 Issue:16 JANUARY-2017

شیخ طریقت حضرت مولانا الحاج سید سہیل میاں قادری واحدی

ولی عہد سجادہ خانقاہ واحدیہ طیبیہ بلگرام شریف

اہل سنت و جماعت کی نسل نو کے لیے تحریری سرگرمی پیش کرنا وقت اہم کا تقاضا ہے، نسل نو کی مثبت ذہن سازی کے لیے ایک ایسے جریدہ کی ضرورت تھی جو شخصی اور مشربی اختلاف سے بالاتر ہو کر کام کرے۔ دور حاضر میں بعض لوگوں کا قلم اتنا بے باک ہو چکا ہے کہ وہ اکابر پہ انگشت نمائی کرنا ہی اپنے قلم کا جوہر سمجھتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ رسالہ "پیغام شریعت" ان منفی رویوں سے دور ہو کر ملت سازی کا کام کرے گا، اور نسل نو کے لیے ایک نئی کرن ثابت ہوگا، اب تک کے شمارے قابل دید اور علمی مواد کے اعتبار سے قابل مطالعہ رہے ہیں، اور امید واثق ہے کہ آئندہ یہ رسالہ علمی، دینی، اور مذہبی تقاضوں کو پورا کرے گا۔

فقط والسلام

فقیر سید سہیل میاں۔ خادم خانقاہ واحدیہ طیبیہ بلگرام شریف

حضرت مولانا عبداللطیف سعدی صدر شعبہ عربی جامعہ سعدیہ کرالا

اس اختلاف وانتشار کے دور میں نئی نسل کو اتفاق واتحاد کی طرف موڑنے کے لیے سب سے اہم اور مؤثر وسیلہ قلم ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اختلاف وانتشار سے ہٹ کر اتفاق واتحاد کی طرف قدم بڑھایا جائے اور مسلکی اور دینی خدمات کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے۔ ماشاء اللہ "پیغام شریعت" کے بعض شمارے دیکھنے کو ملے۔ امید ہے کہ اس کے ذریعہ اصلاح ملت کا کام خوب ہوگا، میں حضرت مولانا فیضان المصطفی قادری اور ان کی ادارتی ٹیم کے تمام افراد کو اس عظیم ملی کارنامے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد دینا چاہتا ہوں اور رب تعالی سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان کے مشن کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔

فقط والسلام

عبداللطیف سعدی صدر شعبہ عربک

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim

Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006